
عمران سیریز
آہنی کچھوا
مظہر کلیم
ڈاکٹر حامد



عمران کے سدابہار کردار پر ایک دلچسپ اور قہقہہ بار تحریر
قارئینِ اشارہ کی فرمائش پر بطورِ خاص، ایک سنسنی خیز تحریر

عمران سیریز کا ہنگامہ خیز ناول

ریاست لونا کا ہوائی اڈہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

بار روم میں رونق البتہ اپنے شباب پر تھی۔ نسوانی قہقہوں کی نقرئی گھنٹیاں وقفے وقفے سے کانوں میں گونجتیں اور پھر جام ٹکرانے اور بے سروپا گفتگو کی بھن بھناہٹ میں معدوم ہو جاتیں۔ خوبصورت یونیفارم میں ویٹر ادھر اُدھر آجا رہے تھے۔ شاید چند گھنٹوں بعد کوئی فلائٹ آنے والی تھی جس کے انتظار میں مسافر بار روم میں بیٹھے وقت گزار رہے تھے۔

بار روم کی بائیں دیوار پوری کی پوری موٹے شیشے کی بنی ہوئی تھی۔ پردہ چونکہ سمٹا ہوا تھا اس لیے رن وے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ باہر رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ اور سردی ہڈیوں میں بسیرا کرنے کی فکر میں تھی۔ وہ تنہا ایک ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے ایک بوتل رکھی تھی جس سے چار انگل مشروب انڈیل کر سامنے رکھے وہ گلاس کو گھور رہا تھا۔ اب تک اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں جن میں کبھی کبھی اُمید و بیم کے سایوں کی آمیزش ہو جاتی تھی۔ وہ ایک گٹھے ہوئے بدن والا ٹھگنے قد کا آدمی تھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لیے اپنے بھاری اوور کوٹ کے دونوں کالر کھڑے کر رکھے تھے۔ سر پر سیاہ فیلٹ تھی جس کا گوشہ جھکا ہوا تھا۔ سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا یہ آدمی بیس منٹ پہلے بار روم میں آیا اور تب سے ہی خاموش اور اداس بیٹھا گلاس کو گھور رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ سگریٹ کا گہرا کش لگاتا اور ڈھیر سارا دھواں اُگل دیتا جس میں اس کے سامنے رکھی ہوئی بوتل اور گلاس چھپ جاتا۔ اس دوران میں اس نے صرف ایک مرتبہ گلاس اُٹھایا اور گاڑھے دھوئیں میں چھپا کر گلاس کو ایش ٹرے میں اُلٹ دیا تھا۔

دفعتاً بار روم کے باہر وزنی بُوٹوں کی دھمک سُنائی دی اور وہ چونک کر پہلے تو بار کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا پھر اپنے گلاس میں مشروب انڈیلنے لگا۔

چار باوردی سپاہی، ٹامی گنیں سنبھالے، بار روم میں آگئے۔ اُن کے آگے آگے ایک یہودی افسر تھا جو سیاہ اوور کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے آتے ہی بار روم میں نگاہ دوڑائی۔ فوجیوں کی آمد سے بار میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کی بھن بھناہٹ یوں ختم ہو گئی جیسے جاذب، روشنائی جذب کر لیتا ہے۔

یہودی افسر کڑی نگاہوں سے ایک ایک آدمی کو گھورتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک باوردی سپاہی دروازے ہی میں جم گیا۔ دوسرا سپاہی بار روم کی کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ باقی دونوں فوجی اکڑتے ہوئے یہودی افسر کے ساتھ چلتے رہے۔ افسر نے ایک سرے سے مسافروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔

بار روم میں بیٹھے ہوئے ہر آدمی کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ یہودی افسر جس میز پر پہنچتا وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہرے خوف سے سفید پڑ جاتے۔

مظہر کلیم



کبھی کبھی افسر کسی سے عبرانی زبان میں سوال کرتا اور سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔ کچھ دیر بعد وہ کارنر ٹیبل پر بیٹھے ہوئے اس ٹھگنے قد کے آدمی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے اس نے کڑے تیوروں سے اس کا جائزہ لیا۔ ٹھگنے آدمی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"تمہارے کاغذات؟" یہودی افسر نے عبرانی میں سوال کیا۔

جواباً وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ کچھ کاغذات اندرونی جیب سے نکال کر اس نے افسر کی طرف بڑھا دیے۔
اس وقت تک وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکا تھا۔ یہودی افسر نے کاغذات لے کر انہیں الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔

"وھسکی آفیسر۔" ٹھگنے آدمی نے عبرانی زبان میں افسر کو بوتل کی طرف متوجہ کر دیا۔

افسر نے ایک لمحے تک بوتل کو دیکھا پھر اس کی آنکھیں اس آدمی کی آنکھوں میں گڑ گئیں۔ "تم کہیں باہر جا رہے ہو، ڈاکٹر؟"

"جی ہاں۔ دمشق جا رہا ہوں۔" ٹھگنے آدمی نے دوسری جیب سے ہوائی ٹکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔
افسر نے ٹکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ٹھگنا آدمی ڈاکٹر تھا اور یہ اندازہ افسر نے اس کے کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد قائم کیا تھا۔

"آفس میں لے آؤ، اسے۔" یہودی افسر نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے فوجیوں کو اشارہ کیا۔

دونوں فوجیوں نے ٹامی گنیں کندھے سے لٹکائیں اور ٹھگنے آدمی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے کرسی سے اٹھا لیا۔ ٹھگنے آدمی نے اس رویے پر احتجاج کیا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ عبرانی زبان میں بار بار افسر کو دھمکیاں بھی دینے لگا لیکن افسر اس وقت تک بیرونی دروازے پر پہنچ گیا تھا جہاں سے وہ باہر نکل گیا۔ دروازے میں کھڑے ہوئے سپاہی نے ٹامی گن کا رخ ٹھگنے آدمی کی طرف کر دیا جو دونوں فوجیوں کی باہنوں میں مچل رہا تھا۔
چوتھا سپاہی بھی کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا اور اپنی ٹامی گن سے اس آدمی کو زد میں لے لیا۔

بار روم میں بیٹھے ہوئے ہر شخص کے چہرے پر اس سلوک نے سختی اور نخوت کے آثار پیدا کر دیے تھے یہاں تک کہ دونوں فوجی جب زور آزمائی کرتے ہوئے ٹھگنے آدمی کو ایک عورت کے پاس سے لے کر گزرے تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ "کتّے..." وہ بڑبڑائی۔

شاید یہ بڑبڑاہٹ کسی فوجی نے سن لی تھی۔ اس نے گھور کر دیکھا لیکن سامنے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بوڑھی عورتوں سے نفرت کرتا ہوں۔" اس نے غرّاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا تمہاری ماں نہیں ہے۔" بڑھیا حلق کے بل چیخی۔

"ہے... اور میرا باپ بھی زندہ ہے۔" سپاہی نے جواب دیا اور اس کے ساتھیوں نے گرج دار قہقہہ لگایا۔

بڑھیا دیوانہ وار چیخی لیکن اس وقت تک فوجی ٹھگنے آدمی کو لے کر بار روم سے باہر جا چکے تھے۔

بار روم میں بکتی جھکتی بڑھیا اور لوگوں کی باتوں نے ایک شور برپا کر دیا۔ ہر کوئی اس واقعے پر تبصرہ کر رہا تھا۔ ایک عورت نے اٹھ کر بڑھیا کو سمجھانا شروع کر دیا۔ اس کا الٹا اثر ہوا۔ بڑھیا یہودی فوجیوں کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہنے لگی۔

فوجی ٹھگنے آدمی کو گھسیٹ کر ایک آفس میں لے گئے۔ آفس میں ایک باوردی کرنل اور دو میجر موجود تھے۔ سادے کپڑوں میں ملبوس یہودی افسر شاید محکمہ خفیہ کا چیف تھا۔
"ہاں تو ڈاکٹر تم دمشق جا رہے ہو؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تم میرے کاغذات اور ٹکٹ دیکھ چکے ہو۔ تمہیں اس رویے کے لیے بھگتنا پڑے گا آفیسر۔ میں ایک ذمے دار آدمی ہوں۔"

"اس کی تلاشی لو۔" افسر نے اس کی بکواس نظر انداز کرتے ہوئے حکم دیا۔

دونوں سپاہی ٹھگنے آدمی کو بدستور بغلوں میں ہاتھ ڈالے، پکڑے رہے اور ایک میجر نے آگے بڑھ کر اس کی جامہ تلاشی شروع کر دی۔

سگریٹوں کا ایک پیکٹ۔ ایک خوبصورت لائٹر، اس کے علاوہ ایک پستول بھی تھا۔ پستول کو دیکھتے ہی چیف چونک کر آگے بڑھا۔ اس نے میجر کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔
یہ ایک مقامی ساخت کا پستول تھا۔ ایسے پستول ریاست لونا میں تقریباً ہر آدمی کو رکھنے کی اجازت تھی۔ لیکن اس پستول میں ایک بات غیر معمولی تھی جس پر

یہودی چیف کی نگاہ نہیں پڑی اور اگر اس نے دیکھا بھی ہوگا تو شاید اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔
پستول کا دستہ عام سائز سے کافی بڑا تھا۔
یہودی چیف نے پستول میز پر رکھ دیا اور میجر کی طرف متوجہ ہو گیا جو ٹھگنے آدمی کے جوتے تک اتروا کر کھنگال رہا تھا۔ "اور کچھ نہیں چیف!" اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔
"میں پوچھتا ہوں تمھیں کس چیز کی تلاش ہے؟ تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو؟ میں اعلیٰ حکام سے شکایت کروں گا۔" ٹھگنا آدمی اب بھی چیخے جا رہا تھا۔
یہودی چیف کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آنے لگے۔ "خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔" وہ غرایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اسی وقت لیڈی اناؤنسر کی مترنم آواز سنائی دینے لگی۔
"اسکندریہ سے دمشق جانے والا جہاز اپنے صحیح وقت پر لونا ائرپورٹ پر اتر رہا ہے۔ مسافروں سے التماس ہے کہ وہ ائرپورٹ کی سرکاری جانچ پڑتال سے فارغ ہو کر مقررہ پلیٹ فارم پر پہنچ جائیں۔"
"اگر تمھارا اطمینان ہو گیا ہو تو مجھے اجازت دو آفیسر۔" ٹھگنا آدمی پُروقار لہجے میں بولا۔
چیف چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"ٹھیک ہے، تم جا سکتے ہو۔" چیف نے فوجیوں کو اشارہ کیا، جنھوں نے اس کی بغلوں سے ہاتھ کھینچ لیے۔
ٹھگنا آدمی آزاد ہو کر اپنے کپڑے درست کرنے لگا۔ وہ اپنے جوتے پہننے لگا اور ساتھ ہی بڑبڑا بھی رہا۔ "کیا اندھیر ہے۔ اپنے پرائے میں کوئی تمیز ہی نہیں۔ آہ۔ یہ زمانہ بھی دیکھنا تھا۔" وہ جوتے پہن کر تسمے باندھنے لگا۔
اب وہ میز کی طرف بڑھا جہاں اس کی جامہ تلاشی سے برآمد ہونے والی اشیاء پڑی تھیں۔ اس نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر جیب میں ڈالا۔ پھر لائٹر اور اس کے بعد پرس... لیکن جیسے ہی اس کا ہاتھ پستول کی طرف بڑھا، چیف کی آواز سنائی دی۔ "نہیں۔ تم پستول لے کر سفر نہیں کر سکتے۔"
"یہ پابندی کب سے عائد ہو گئی؟" ٹھگنے ڈاکٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔ اس کا پستول کی جانب بڑھتا ہوا ہاتھ ایک مرتبہ کانپ گیا اور اس کے چہرے پر ہلکی سی زردی پھیل گئی۔
"تم اسے واپسی پر یہاں سے لے سکتے ہو۔"
"واہ۔ واپسی پر لے سکتا ہوں۔" اس نے ہاتھ نچایا۔ "تم اچھی طرح سے اپنا اطمینان کر چکے ہو۔ اب کیا بات ہے؟"
"کیا تم جہاز اغوا کرنا چاہتے ہو؟" چیف غرایا۔
"یہ تم نے کیسے جانا؟"
"پھر تم پستول کے لیے اتنے بضد کیوں ہو؟"
"اس لیے کہ یہ میری ملکیت ہے اور میں نے اسے اپنی حفاظت کے لیے خریدا تھا۔"
"اسے پستول کی رسید دے دو۔" چیف غرایا۔
"تاکہ اگر کوئی مجھے لوٹنے آئے تو اسے رسید کھینچ ماروں۔" ٹھگنے آدمی کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ پستول لیے بغیر نہیں ٹلے گا۔
"اب تم کمبل بننے کی کوشش مت کرو۔" چیف کی آواز انتہائی سرد تھی۔ "چلے جاؤ۔"
ٹھگنے نے ایک نظر سب کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہ سامنے شیشے کے دروازے کے اس پار رن وے پر اترتے ہوئے جہاز پر پڑی۔
جہاز کو ٹھیک پندرہ منٹ بعد واپس اڑنا تھا۔
کمرے میں موجود ہر آدمی رن وے کی طرف متوجہ ہو گیا جہاں جہاز لینڈ کر کے مخصوص پلیٹ فارم کی طرف آ رہا تھا۔ یہودی چیف، دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کی نگاہیں جہاز سے اترنے والے مسافروں پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ ایک چھوٹا سا مسافر بردار جہاز تھا۔ سرد رات کی وجہ سے اس سے بہت کم مسافر اترے۔
"تم ابھی تک گئے نہیں۔" اچانک یہودی چیف، کتے کی طرح غرا کر پلٹ پڑا۔
"برائے مہربانی مجھے پستول لے جانے کی اجازت دے دو۔"
"یہ ناممکن ہے۔ کیا تم نے اسے رسید دے دی، کرنل۔" چیف نے غرا کر کرنل کی طرف دیکھا جس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "جلدی دو۔ فلائٹ روانہ ہونے والی ہے۔" چیف چیخا۔
کرنل نے میز کی دراز سے ایک بک نکال کر اس

ہیں خانہ پُری کی اور پھر چیف سے دستخط کروانے کے لیے اس کی طرف بڑھا۔

ٹھگنے آدمی نے سامنے دیکھا۔ جہاز جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ آخری مسافر سیڑھیوں میں کھڑا الوداعی ہاتھ ہلا رہا تھا اور ائر ہوسٹس اُسے اشارے سے اُوپر آنے کا کہہ رہی تھی۔ اس نے اچانک میز پر جھپٹا مارا اور پستول لے کر باہر کی طرف لپکا۔ وہ اتنی پھرتی سے بھاگا تھا کہ چند لمحوں تک تو کسی کو خبر ہی نہ ہوئی۔ عین اُسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک میجر نے ریسیور اٹھایا اور کچھ سُننے کے بعد اس نے ریسیور چیف کی طرف بڑھا دیا۔ چند لمحے وہ بات چیت کرتا رہا پھر اس کے چہرے پر سختی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے زور سے ریسیور پٹخا اور دھاڑ کر بولا "اسے پکڑو۔ یہی ہے۔ اسی کے پاس ہے سب کچھ۔ جانے نہ پائے۔ بھاگو"

یہودی افسر گلا پھاڑ کر چیختا ہوا خود بھی باہر بھاگا۔

ٹھگنا آدمی اس وقت رن وے پر بھاگ رہا تھا۔

ائر ہوسٹس نے ایک آدمی کو تیزی سے بھاگتے دیکھا تو لمحے بھر کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس سے قبل کہ سیڑھی جہاز سے الگ کی جاتی، وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچ گیا۔ دھائیں۔ دھائیں۔ چیف نے دو فائر کیے۔

ٹھگنا آدمی سیڑھیوں میں ہی گر گیا۔ ایک گولی اس کی پیٹھ پر لگی اور دوسری کندھے میں پیوست ہو گئی۔

ائر ہوسٹس خوف سے چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔

وہ ہاتھوں کے بل گھسٹتا ہوا جہاز میں داخل ہو گیا۔

فوجی افسر بھی جہاز میں گھس گئے۔ اس وقت تک زخمی آدمی مسافروں کی سیٹوں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی حالت نازک تھی۔ چند لمحے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مسافروں کو دیکھتا رہا۔ پھر ایک سیٹ پر اس کی نگاہ جم کر رہ گئی۔ وہ اپنی تمام تر اعصابی قوتوں کو یکجا کر کے اچھلا اور اپنی جیب سے پستول نکال کر دروازے کی طرف دو تین فائر کر دیئے۔ اس وقت تک وہ مطلوبہ سیٹ تک پہنچ گیا تھا۔ ریوالور کا دستہ اس نے اپنے گھٹنے پر مارا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

یہودی چیف اور فوجی اس کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ اس نے پیچھے دیکھا، اپنا ہاتھ اٹھایا اور ٹریگر دبا دیا۔

***

بلیک زیرو اسکندریہ میں ایک خفیہ کانفرنس میں شرکت کے بعد دمشق میں ایک اور میٹنگ کے لیے جہاز میں سوار ہوا۔ اسکندریہ میں خفیہ کانفرنس تمام مسلم ممالک کی سیکرٹ سروسز کے نمائندوں کے درمیان سات یوم تک ہوتی رہی۔ ان دنوں فلسطین میں یہودیوں کی خفیہ سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں۔ مسلم ممالک کو یہودیوں سے بہت سے خطرات لاحق تھے جن کا سدِباب کرنے کے لیے ایک اجلاس اسکندریہ میں ہوا تھا۔ اسی سلسلے کی دوسری میٹنگ دمشق میں ہونے والی تھی۔ ہر کانفرنس انتہائی رازداری سے ہو رہی تھی۔ دوسری کانفرنس دمشق میں ہونے کی وجہ بھی یہی تھی۔ سفر کا ابتدائی وقت بلیک زیرو نے ایک رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے گزارا۔ پھر وہ سیٹ کو قدرے آرام دہ حد تک کھول کر نیم دراز ہو گیا... اور پھر شاید اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

یہ ایک عام سا مسافر بردار جہاز تھا جس میں بیس سے زیادہ مسافر سوار نہیں تھے۔ شاید سردی کی لہر نے لوگوں کو اس نائٹ کوچ میں سفر کرنے سے باز رکھا تھا۔ دو گھنٹے بعد پائلٹ کی آواز سُنائی دی کہ جہاز صرف پندرہ منٹ کے لیے لونا ریاست کے چھوٹے سے ائر پورٹ پر اُترنے والا ہے۔ اس لیے مسافر حفاظتی بیلٹ باندھ لیں۔

بلیک زیرو کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ایک ڈھیلی سی انگڑائی لی اور سیٹ بیلٹ باندھنے لگا۔

لونا اسٹیٹ کا ائر پورٹ چھوٹا اور خوبصورت تھا۔

جہاز سے، ائر پورٹ کی عمارت تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ بلیک زیرو کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ رنگین شیشے سے عمارت اور ماحول بھی رنگین ہی دکھائی دے رہا تھا۔ ائر پورٹ کی تیز روشنیاں بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ بلیک زیرو نے اطمینان سے سگریٹ سُلگایا اور باہر دیکھتا رہا۔

پندرہ منٹ گزرتے محسوس بھی نہ ہوئے۔ اس ائر پورٹ سے صرف تین مسافر جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ جہاز روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ شاید سیڑھیاں الگ کی جانے والی تھیں کہ ائر ہوسٹس کی آواز سُنائی دی "ارے یہ کون بھاگا آ رہا ہے۔ شاید کوئی مسافر

رہ گیا ہے۔ پلیز جلدی آئیے۔"
بلیک زیرو نے دیکھا۔ وہ ایک ٹھگنے قد کا مضبوط آدمی تھا اس کے ہاتھ میں سامان نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح جہاز کی طرف دوڑ رہا تھا۔

بلیک زیرو چونک پڑا۔ اس نے دیکھا کہ اس آدمی کے تعاقب میں چار فوجی ٹامی گنیں سنبھالے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ ان سب سے آگے ایک سادہ کپڑوں والا آدمی تھا۔ وہ ہاتھ لہرا لہرا کر چیخ بھی رہا تھا۔ شاید وہ اس ٹھگنے آدمی کو روکنے کے لیے آوازیں دے رہا تھا لیکن اس آدمی کے تو پیروں میں گویا پر لگے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیڑھیوں پر پہنچ گیا۔

بلیک زیرو کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ سادے کپڑوں والے نے ریوالور نکال لیا تھا۔ اور پھر اس نے ٹھگنے آدمی کا نشانہ لے کر بھاگتے بھاگتے ہی دو فائر کر دیے۔

ٹھگنا آدمی گولیاں کھا کر سیڑھیوں ہی میں گر گیا۔

... اور پھر بلیک زیرو اپنی سیٹ پر گھوم کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ زخمی آدمی گھسٹتا ہوا جہاز میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ خوف اور دہشت سے بگڑا ہوا تھا۔ وہ گھسٹتا ہوا مسافروں کی سیٹوں تک آیا اور متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نہ جانے اُسے کس کی تلاش تھی؟

بلیک زیرو نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

زخمی آدمی کی نگاہیں تمام مسافروں پر سے ہوتی ہوئی بلیک زیرو پر جم گئی تھیں۔ پھر بلیک زیرو نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتے دیکھی۔ وہ گھسٹتا ہوا بلیک زیرو کی سیٹ تک آگیا۔ اتنی دیر میں شاید فوجی بھی جہاز میں گھس آئے تھے۔ زخمی نے دروازے کی طرف دو تین فائر کر دیے۔ شاید کسی فوجی کو گولی لگ گئی تھی۔ ایک ہلکی سی کراہ سُنائی دی لیکن بلیک زیرو تو بغور زخمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک زخمی نے ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے ریوالور کا دستہ بڑے زور سے اپنی ران پر مارا۔ کریچ کی آواز آئی اور پھر ہلکی ہلکی سرسراہٹ سُنائی دینے لگی۔ اتنی دیر میں سادہ کپڑوں والا یہودی افسر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور ٹھگنے آدمی کی پیٹھ سے لگا دیا۔

"تم ہماری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ چلو اُٹھو۔" یہودی افسر نے گرج دار آواز میں کہا۔

ناٹے آدمی نے اچانک ہی گھوم کر فائر کر دیا۔

گولی افسر کے بازو میں گھس گئی۔ اس نے کراہ کر اپنا بازو دوسرے ہاتھ سے تھام لیا۔ اس سے قبل کہ وہ آدمی مزید فائر کرتا، عقب سے آنے والے فوجی اس پر لوٹ پڑے۔ وہ اگرچہ لہولہان ہو رہا تھا تاہم وہ بے جگری سے مزاحمت پر اُتر آیا۔ بلیک زیرو اس ناٹے قد کے آدمی کی ہمت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا جو اس قدر زخمی ہونے کے باوجود ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔

یہودی افسر کو سہارا دے کر نیچے لے جایا گیا۔ باقی فوجیوں نے اس آدمی کو دھکیل کر نیچے اتارنے کی کوشش کی لیکن وہ بڑی مشکل سے کامیاب ہو سکے۔

جہاز مقررہ وقت سے آدھ گھنٹہ لیٹ ہو گیا۔

... پھر جیسے ہی اس جھمیلے سے نجات ملی، جہاز کے انجن اسٹارٹ ہو گئے اور جہاز زمین چھوڑ کر ہوا کے دوش پر سوار ہو گیا۔ بلیک زیرو نے اطمینان کا سانس لیا۔ فائرنگ سے جہاز کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا ورنہ یہ رات اُسے لوناہی میں گزارنا پڑتی۔ وہ اس ٹھگنے آدمی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ کون تھا؟ اُسے کس کی تلاش تھی اور وہ اس کی طرف دیکھ کر کیوں مسکرایا تھا؟ وہ سوچتا رہا اور اُلجھتا رہا۔

جہاز اب پُرسکون انداز میں اُڑ رہا تھا۔ انجنوں کی ہلکی ہلکی گھوں گھوں سُنائی دے رہی تھی۔ اچانک پائلٹ کی گھبرائی ہوئی آواز سُنائی دی۔ "چند نامعلوم فائٹر جہاز پر حملہ کر رہے ہیں۔ مشین گن کی گولیوں سے جہاز میں آگ لگ گئی ہے۔ میں جہاز کو ہر ممکن طریقے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

بلیک زیرو چونک پڑا۔

وہ اپنی سیٹ سے اُٹھ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پائلٹ کیبن کی طرف بھاگتا، پائلٹ کی چیخ سُنائی دی۔ بلیک زیرو نے پائلٹ کی کراہتی ہوئی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "جہاز کا فیوزلاج گولیوں سے چھلنی ہو گیا ہے۔ اب جان بچانے کا واحد ذریعہ پیراشوٹ ہیں۔ براہِ کرم اپنی اپنی جانیں بچائیں۔"

بلیک زیرو نے فوراً پیراشوٹ کی ڈوریاں کسنا

شروع کر دیں۔

جہاز میں کہرام مچا ہوا تھا۔

مسافر حواس باختہ ہو گئے۔ بلیک زیرو نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر خوف کی وجہ سے سفیدی چھا گئی تھی جیسے اس کے جسم کا سارا خون خشک ہو گیا ہو۔ اس نے تیزی سے سکتے کے عالم میں بیٹھے ہوئے آدمی کو جھنجوڑ ڈالا "جلدی کرو۔ پیراشوٹ باندھو۔"

کوئی جواب نہ ملا۔

بلیک زیرو پیراشوٹ باندھ چکا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اس آدمی کا پیراشوٹ اس کے جسم پر باندھنا شروع کر دیا۔ جہاز اب دائیں بائیں جھولنے لگا تھا۔ اس کے جسم پر پیراشوٹ کی ڈوریاں کسنے کے بعد بلیک زیرو اُسے گھسیٹ کر دروازے تک لایا اور پھر نیچے دھکیل دیا۔ بلیک زیرو نے پلٹ کر سیٹوں کی طرف دیکھا۔ جہاں صرف ایک آدمی، پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ شاید حادثے کی خبر اس کے دماغ پر اثر انداز ہوئی تھی۔ بلیک زیرو کی نگاہ اچانک ہی ایک سیٹ پر پڑی اور اسے کسی کی دو ٹانگیں دکھائی دیں۔ وہ پھرتی سے آگے بڑھا۔۔ دیکھا تو ایک آدمی بے ہوش پڑا تھا۔

جہاز اب تیزی سے قلابازیاں کھا رہا تھا۔ خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے بلیک زیرو نے چیختے ہوئے اس آدمی کو پیراشوٹ کی ڈوریوں میں کس دیا اور پھر دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ شاید اب اُسے بھی کچھ احساس ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف دوڑا اور چیختا ہوا نیچے کود گیا۔

اب جہاز میں صرف دو آدمی تھے۔ ایک بلیک زیرو اور دوسرا بے ہوش پڑا ہوا دبلا پتلا سا خوبصورت آدمی ۔۔۔ اچانک جہاز تیزی سے پلٹا۔ بلیک زیرو نے اگر سیٹ کا سہارا نہ لیا ہوتا تو بری طرح گر پڑتا۔ اس نے کچھ سوچ کر بے ہوش آدمی کو اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جہاز بری طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔ ایسے میں خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا لیکن بلیک زیرو نے خود کو سنبھالا اور بے ہوش آدمی کو اٹھائے دروازے کی طرف بڑھتا رہا۔ آگ اب جہاز کے اندر پہنچ گئی تھی۔ بلیک زیرو کو خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں فیول ٹینک نہ پھٹ جائے۔ ایسے میں جہاز کے ساتھ ان کے بھی ٹکڑے ہو جاتے۔ اس خوف کے باوجود وہ دائیں بائیں جھولتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اچانک جہاز نے ایک زبردست کروٹ لی اور بے ہوش آدمی اس کے ہاتھ سے نکل کر دروازے کے قریب جا گرا۔ بلیک زیرو نے چھلانگ لگائی۔ عین اسی وقت جہاز کچھ ترچھا ہو گیا اور بے ہوش آدمی پھسل کر آدھا دروازے سے باہر جھول گیا اور پھر نیچے فضا میں۔۔ بلیک زیرو کے حلق سے افسوس کی ایک طویل سانس نکل گئی۔ اس کی تمام محنت رائیگاں گئی تھی۔ معاً ایک زبردست جھٹکا لگا اور بلیک زیرو کا سر دروازے کے پہلو سے ٹکرا گیا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اس کا سر چکرا گیا اور وہ جھولتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جہاز دھڑا دھڑ جلتا ہوا تیزی سے نیچے گر رہا تھا۔



عمران پر ان دنوں مینڈک پالنے کا بھوت سوار تھا۔ وہ صبح ہی ایک تھیلا لے کر نکل جاتا اور نہ جانے کہاں کہاں سے مینڈک پکڑ کر لے آتا۔ ایسے میں سلیمان بے چارے کی جان عذاب میں آ گئی تھی۔ مینڈک پورے فلیٹ میں پھدکتے پھرتے تھے۔ گھر بھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مینڈک موجود نہ ہوں۔ آج صبح سلیمان نے جیسے ہی چائے کی دیگچی چولہے سے اتار کر نیچے رکھی، چھپاک سے ایک مینڈک دیگچی میں آ گرا اور ابلتی ہوئی چائے میں لوٹیں لگاتا ہوا کسی غبارے کی طرح پھول گیا۔ سلیمان سینے پر دو ہتڑ مار مار کر چیخنے لگا۔

"ابے کیوں چلا رہا ہے؟" عمران کی دھاڑ سنائی دی اور پھر وہ خود بھی کچن میں آ موجود ہوا۔

"میں اب خودکشی کر لوں گا صاحب۔" سلیمان حلق کے بل چیخا۔

"کیوں۔۔۔ کیوں؟" عمران نے دیدے نچائے۔

"اس گھر میں مینڈک رہیں گے یا میں رہوں گا۔"

"مل جل کر رہنے کی کوشش کرو۔"

"ہرگز نہیں، سالوں نے جینا محال کر دیا ہے۔"

"اسی لیے تو شادی کرنے سے منع کر رہا ہوں پیارے،"

لیکن تم ہمیشہ شادی کی رٹ لگائے رہتے ہو۔ چلو سالوں کے ساتھ رہنے کی پریکٹس ہی سہی کامیاب رہے تو کسی بی میڈکی سے شادی ہوئی سمجھو۔"

"میں کہتا ہوں، اتنی خدائی پڑی ہے۔ آپ کو کچھ اور نہیں ملا؟"

"تم ان کی توہین کر رہے ہو سلیمان۔"

"آہا کتنا متبرک جانور ہے۔" سلیمان نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"ابے کئی ملکوں میں تو لوگ اچار بنا کر مرتبانوں میں رکھتے ہیں۔" عمران نے مینڈکوں کی اہمیت پر لیکچر شروع کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ تیزی سے فون کے قریب آیا۔ ریسیور اٹھایا اور یہ سُنے بغیر کہ دوسری طرف سے کون ہے بولا۔ "فراگ مرچنٹ۔ عمران اینڈ سلیمان لمیٹڈ۔"

"کبھی تو سنجیدہ رہا کرو گدھے۔" دوسری طرف سے سر سلطان کی سخت آواز سُنائی دی اور عمران اپنا سر ٹٹول کر رہ گیا۔

"دیکھیے بیٹا ہمیشہ باپ کی نسل سے ہوتا ہے۔"

"پھر...؟" سر سلطان جھونک میں پوچھ بیٹھے۔

"میں ابھی ڈیڈی کو اطلاع دیتا ہوں کہ آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔"

"بکومت سور۔" سر سلطان غالباً جھینپ گئے تھے۔

"ہائیں ہائیں، کیا آپ کو ریسیور سے کم دکھائی دیتا ہے۔"

"بکواس مت کرو اور جلدی سے گھر پہنچو۔ میں سیدھا وہیں جا رہا ہوں۔" سر سلطان نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

عمران سوچ میں پڑ گیا کہ معاملہ کیا ہے؟ ظاہر ہے، سر سلطان خاص خاص موقعوں پر ہی اُسے گھر بلاتے تھے اور وہ خاص موقع کسی تقریب کی بجائے کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتا تھا۔ جلدی جلدی تیار ہو کر وہ گیراج میں پہنچا۔

فیاٹ نکال کر سر سلطان کے بنگلے تک پہنچنے میں اُسے پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ ڈرائنگ روم میں سر سلطان کے علاوہ ایک اور شخص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ "سلاما لیکم جناب۔" عمران بوکھلایا ہوا اندر داخل ہوا اور دونوں کے سامنے ناچ گیا۔ مشکل یہ آن پڑی... کہ سب سے پہلے کس سے مصافحہ کیا جائے؟

"انسان بنو اور بیٹھ جاؤ۔ معاملہ انتہائی سنگین ہے۔" سر سلطان نے اسے ڈانٹ دیا۔

...اور وہ ایک طرف یوں بیٹھ گیا جیسے مُنہ پر بھڑ نے کاٹ لیا ہو۔ سر سلطان کے پاس بیٹھا ہوا شخص حیرت سے کبھی عمران کی طرف دیکھتا اور کبھی سر سلطان کی طرف.. سر سلطان نے شاید اس کی پریشانی بھانپ لی تھی۔ وہ مسکرائے اور اسے بتانے لگے "یہی ہے، وہ نالائق جس نے گیبی پورٹر اور گابی جیسے مجرموں کو نکیل ڈال دی تھی۔ میں اس کے بارے میں پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہوں۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" وہ شخص صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ ویسے اس کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات اب بھی نمایاں تھے۔

"ان سے ملو عمران یہ مصری سیکرٹ سروس کے چیف مسٹر شامی ہیں۔"

"اوہ جی ہاں۔ جی ہاں۔" عمران بوکھلا کر اٹھا اور ان سے مصافحہ کرنے لگا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" شامی مسکرائے۔

"جی بہت اچھا۔" عمران نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کی عبرانی زبان کیسی ہے؟"

"جی ملاحظہ فرمائیے۔" عمران نے بھاڑ سا مُنہ کھول کر زبان نکالی۔

شامی نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا پھر جھینپ کر سر سلطان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سر سلطان نے گھور کر عمران کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں بولے۔ "اگر تم اس وقت سنجیدہ نہیں ہو سکتے تو بات چیت کسی اور وقت پر اٹھا رکھو۔"

"اچھا۔" عمران نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "فرمائیے، آپ کیا فرماتے ہیں؟"

شامی نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا جس کے چہرے سے حماقتیں یوں غائب ہو گئی تھیں جیسے ڈسٹر سے بلیک بورڈ پر چاک سے لکھے ہوئے حروف صاف ہو جاتے ہیں۔ عمران سنجیدہ باوقار اور انتہائی چاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔

"اب آپ اس سے گفتگو کر سکتے ہیں، مسٹر شامی۔" سر سلطان مسکرا کر بولے۔

"اوہ۔ مسٹر علی عمران۔ میں یہاں ایک اہم بات چیت کے لیے آیا ہوں۔ میرا خیال ہے، آپ خصوصی توجہ سے میری گفتگو سنیں گے۔"

"فرمائیے، میں ہمہ تن گوش ہوں۔" عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"عبرانی زبان سے آپ کی واقفیت کہاں تک ہے؟" شامی نے عبرانی میں سوال کیا۔

عمران نے عبرانی لہجے میں اپنے زبان داں ہونے کا ثبوت دیا۔ "آزما لیجیے۔"

کچھ دیر ان کے درمیان گفتگو ہوتی رہی اور سر سلطان دونوں کی صورتیں دیکھتے رہے۔ ظاہر ہے ان کے پلّے تو ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا۔

شامی نے مسکرا کر سر سلطان سے کہا۔ "بھئی صد فی صد تو نہیں لیکن ننانوے اعشاریہ نو فی صد عبرانی زبان پر عبور حاصل ہے اور یہ میرے لیے باعثِ حیرت ہی نہیں، باعثِ مسرت بھی ہے۔"

"آگے آگے دیکھیے۔" سر سلطان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"عمران صاحب آپ کو لونا اسٹیٹ کے بارے میں کیا معلومات حاصل ہیں؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔ اخبارات کے مطالعے سے جو کچھ میرے ذہن میں محفوظ ہے، اس کے مطابق یہ عالمگیر جنگ کے بعد وجود میں آنے والی ریاستوں میں سے ایک ریاست ہے جو چاروں طرف مصر دشمن ممالک سے گھری ہوئی ہے۔"

"ویری گڈ۔ مزید کچھ؟"

"لونا اسٹیٹ میں آج کا برسرِ اقتدار طبقہ نام نہاد یہودی حکومت کا پروردہ ہے۔"

"ٹھیک۔۔" شامی نے مطمئن مسکراہٹ سے سر ہلایا۔ "آپ کو اسی اسٹیٹ میں جانا ہے۔ اگرچہ سرسری طور پر تو یہ کام مصر کی بقا کے لیے انتہائی اہم دکھائی دیتا ہے تاہم دوسرے مسلم ممالک بھی اس کے زیرِ اثر ہیں۔ یہ مہم ان کی عزت اور وقار کے لیے ناگزیر ہے۔"

"براہ کرم اختصار سے مشن کے بارے میں بتائیے۔"

عمران نے استدعا کی۔

شامی نے جیب ٹٹول کر ایک سگار نکالا اور اسے مُنہ میں دبا کر خاموشی سے ایک طرف گھورنے لگے۔ عمران نے کھوپڑی ٹٹولنا شروع کر دی۔ "مم۔ معاف کیجیے گا، میں نے اختصار سے کہا تھا۔"

"پھر؟" شامی چونک اُٹھا۔

"آپ تو سگار سے کام لینے لگے۔" عمران نے معصومیت سے کہا۔

شامی کے حلق سے ایک بے ساختہ قہقہہ اُبل پڑا۔ "بھئی بہت ہی زندہ دل ہو۔ خیر میں سوچ رہا تھا کہ شروع کہاں سے کروں۔ آپ کے پاس لائٹر ہوگا۔" شامی نے سگار دوبارہ مُنہ میں دبا کر ہاتھ عمران کی طرف بڑھا دیا۔

عمران جلدی جلدی اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اور پھر اس نے کوٹ کی جیب سے ہاتھ نکالا تو اس میں سبز رنگ کا ایک بڑا سا مینڈک دبا ہوا تھا۔ شامی اور سر سلطان نے جلدی سے مُنہ پھیر لیا۔

"معاف کیجیے گا، چند گھریلو اور پرائیویٹ چیزیں بھی غلطی سے ساتھ آگئی ہیں۔" عمران نے جلدی سے مینڈک کو دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔

سر سلطان نے گھنٹی بجا کر ملازم کو ماچس لانے کا حکم دیا جو جلد ہی فراہم کر دی گئی۔ شامی نے سگار سُلگا کر ایک گہرا کش لگایا اور عمران کی طرف نیم وا آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ پھر چند لمحوں کے بعد بولے۔ "آپ کو ایک آہنی کچھوا حاصل کرنے کے لیے لونا اسٹیٹ بھیجا جا رہا ہے۔"

"آہنی کچھوا۔" عمران بڑبڑایا اور پھر ہنس کر شامی کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے وہ مذاق کر رہا تھا۔ "کیا میرے کسی مینڈک سے کام نہیں چل سکتا؟"

"جی نہیں۔ وہ آہنی کچھوا تمام مسلم ممالک کے وقار کی بنیاد ہے۔"

"اوہ، ذرا تفصیل سے بیان کیجیے جناب۔" عمران نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"تم نے دو روز قبل اخبار میں یہ خبر تو ضرور پڑھی ہوگی کہ ایک مسافر بردار طیارہ لونا اسٹیٹ میں گر کر تباہ ہو گیا۔"

"جی ہاں۔" عمران بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔
"اگرچہ جہاز تباہ ہونے کی وجہ، وہاں کے حکام نے گڑبڑ بتائی ہے لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق اس جہاز کو چند فائٹر جہازوں نے مار گرایا تھا۔"
"کوئی وجہ بھی تو رہی ہوگی؟"
"ہاں۔ اس جہاز میں آہنی کچھوا موجود تھا۔"
"میری جیب میں میٹرک موجود ہے۔ آپ مجھے گولی کیوں نہیں مار دیتے؟" عمران جھلا گیا۔ اُسے شامی کی یہ عادت بُری طرح کھل گئی تھی کہ وہ ایک وقت میں بات پوری نہیں کرتا تھا۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" شامی نے حیرت سے سر سلطان کی طرف دیکھا۔
"دراصل عمران غیر ضروری تمہید پسند نہیں کرتا۔" سر سلطان نے وضاحت کر دی۔
"اوہ۔ میں معذرت چاہتا ہوں، جناب۔ دراصل... خیر، میں شروع سے بیان کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر شامی نے دوبارہ سگار کا کش لگایا اور عمران کا جی چاہا کہ بھاگ کر حقہ لے آئے اور شامی کے سامنے بیٹھ کر اُسے گڑگڑانا شروع کر دے۔
"ایک مصری جاسوس لونا ریاست میں عرصے سے کام کر رہا تھا۔ اس کا نام صالح تھا۔ اس نے وہاں اسرائیلی حکومت کے تمام اہم راز اور سرحد کی تمام فوجی چھاؤنیوں کے نقشے فلما کر اس آہنی کچھوے میں چھپا دیے تھے۔ وہ اس کچھوے کو لے کر لونا ریاست سے فرار ہونے ہی والا تھا کہ موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔"
"اوہ تو کیا آہنی کچھوا دشمنوں کے ہاتھ لگ گیا؟"
"نہیں، مرتے مرتے بھی صالح جہاز میں چڑھ گیا اور اس نے آہنی کچھوا ایک مسلمان کی جیب میں ڈال دیا تھا۔"
"یہ اطلاع آپ کو کیسے ملی؟"
"جہاز کی تباہی کے بعد وہ مسلمان پیراشوٹ کے ذریعے جہاز سے کودنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب وہ ہمارے ہمدردوں کی حفاظت میں ہے۔"
"وہ مسلمان مسافر کون ہے۔ میرا مطلب ہے، اس کا تعلق کس ملک سے ہے؟"
"یہ تو معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ اس کا نام طاہر بتایا جاتا ہے۔"

"طاہر..." عمران اچھل پڑا۔
سر سلطان کے چہرے پر بھی ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔
"کیوں، آپ چونکے کیوں؟" شامی نے حیرت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں، آپ بیان جاری رکھیں۔"
"لونا اسٹیٹ میں ہماری جماعت کے صدر دفتر سے ہمارے نام ایک ریڈیائی پیغام نشر ہوا جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ طاہر نامی ایک مسلمان جہاز کے حادثے سے بچ نکلا ہے اور وہ ہماری پناہ میں ہے۔"
"اس کا مطلب ہے آہنی کچھوا طاہر کے پاس ہے۔"
"یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ وہ پُراسرار کچھوا طاہر کے پاس محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ کودتے وقت کہیں گر گیا ہو۔ اس قسم کے شکوک اس لیے بھی پیدا ہوتے ہیں کہ طاہر کچھوے کی اہمیت سے ناواقف تھا۔"
"ایسی صورت میں، میں وہاں جا کر کیا کر سکتا ہوں؟"
"آپ کو بھیجنے میں یہ مصلحت ہے کہ جیسے ہم نے اس ریڈیائی پیغام کو سُن لیا، بالکل اسی طرح دوسرے دشمن ممالک نے بھی اسے سُنا ہوگا۔ ایسی صورت میں ہر ملک کے جاسوس اس کچھوے کو حاصل کرنے کے لیے بھاگ اُٹھے ہوں گے۔"
"ہوں۔ میں اس مشن پر جانے کے لیے تیار ہوں۔"
"آپ کے ساتھ ایک شخص کا ہونا ضروری ہے اس کا انتخاب خود آپ ہی کو کرنا پڑے گا۔"
"آپ بے فکر رہیں۔"
شامی اُٹھا اور اس نے اپنے بریف کیس سے ایک بڑا سا نقشہ نکال کر میز پر پھیلا دیا۔ "آئیے ایک نظر لونا اسٹیٹ کا نقشہ دیکھ لیں۔ لونا کے قرب و جوار میں اہم شہر یہ ہیں۔ کرمان اور جالو۔ گرد و نواح میں اور بھی بہت سے گاؤں ہیں جو ریلوے لائن کے قریب ہونے کی وجہ سے خاصے گنجان آباد ہیں۔ لونا ریاست تین طرف سے ایک پہاڑی سلسلے میں گھری ہوئی ہے۔"
"غالباً یہ لکیر ہوائی سفر کے راستے کو ظاہر کرتی ہے۔" عمران نے نقشے پر بنی ہوئی ایک سُرخ لکیر پر اُنگلی رکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں، یہ سُرخ نشان دیکھئے۔ یہاں اس مسافر

بردار جہاز کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا اور یہاں وہ پہاڑی سلسلہ ہے، جس کا تذکرہ کر چکا ہوں۔"

"کیا یہ پہاڑی سلسلہ خشک اور بنجر ہے؟"

"نہیں۔ وہاں جنگلات بھی ہیں۔ میرا خیال ہے، آپ اسی جگہ پیراشوٹ کے ذریعے کود جائیں اور کوشش کر کے ہماری ہمدرد جماعت کو ڈھونڈ نکالیں پھر آپ بہ آسانی اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"کیا جماعت کے خفیہ اڈے، اسی پہاڑی سلسلے میں ہیں؟"

"جی ہاں... لیکن ان کے بارے میں یقینی جگہ اس لیے نہیں بتائی جا سکتی کہ حالات کے مطابق وہ لوگ اپنی جگہیں بدلتے رہتے ہیں۔"

"ظاہر ہے، ہمیں پیراشوٹ سے رات ہی کو کودنا ہوگا۔"

"جی ہاں۔ لیکن لونا اسٹیٹ کی سردی، سائبیریا کے میدانوں کی طرح مشہور ہے لہٰذا رات کے وقت آپ کے لیے میدان صاف بھی ہو سکتا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" عمران نے خوفزدہ لہجے میں کپکپا کر کہا۔ "سس... سردی بھی ہے، وہاں!"

شامی جو اب تک اس کی عادت سے واقف ہو گیا تھا، مسکرا کر رہ گیا۔

"لیکن شامی صاحب ایک بات پر مجھے حیرت ہے۔" سر سلطان بولے۔

"کس بات پر؟"

"ایک مسافر بردار جہاز کو بھی کوئی تباہ کر سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے، بین الاقوامی قانون کے مطابق؟"

"ہنہ، ایک ایسی ریاست، جہاں نظم و نسق پولیس اور فوج کی مدد سے عوام پر ٹھونسا جائے، وہاں ہر کارروائی دھڑلے سے کی جا سکتی ہے۔"

"لیکن آپ کے کہنے کے مطابق تو دونوں فائٹر لونا ائیر فورس کے تھے۔"

"ہاں بھئی۔ حادثے کے فوراً بعد وہاں کی حکومت نے ایک پریس نوٹ جاری کر دیا کہ جہاز حادثے کے بعد زمین پر گرا تو جل کر راکھ ہو چکا تھا اس لیے کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہو سکی جس سے مسافروں کی شناخت کی جا سکے۔"

"اس پریس نوٹ کا مطلب ہے کہ دوسرے ملکوں کے نمائندے تحقیقات کرنے وہاں پہنچیں تو انہیں اس پریس نوٹ کے حوالے سے یہ کہہ کر ٹال دیا جائے کہ... راکھ کے ڈھیر کے سوا وہاں رکھا ہی کیا ہے۔"

"نہایت تعجب خیز بات ہے۔" سر سلطان بڑبڑائے۔

"ہاں عمران صاحب، آپ نے کیا فیصلہ کیا؟" شامی، عمران کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ دو عدد مصری پاسپورٹ مہیا کر دیں اور لونا ریاست میں موجود جماعت کے چند پتے بتا دیں۔ ممکن ہے، وہ لوگ اب بھی وہیں موجود ہوں۔ باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"پاسپورٹ آپ کو کل تک مل جائیں گے اور ساتھ ہی ایڈریس بھی..." شامی نے یہ کہہ کر اجازت طلب نگاہوں سے سر سلطان کی طرف دیکھا جنھوں نے مسکرا کر کہا۔ "بھئی باتیں تو ہو چکیں، اب چائے کا ایک دور بھی ہو جائے۔"

"شکر صرف ڈیڑھ چمچ۔" عمران نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔ شامی قہقہہ لگا کر بیٹھ گیا۔ سر سلطان نے ملازم کو چائے لانے کا حکم دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ چائے کی چسکیاں لے رہے تھے اور عمران دوبارہ اپنی حماقتوں پر اتر آیا تھا۔ شامی کے پیٹ میں ہنسنے کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی تھی۔

دفعتاً مینڈک عمران کی جیب سے باہر نکل آیا۔ عمران نے اُسے سمجھانے اور پچکارنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اچھل کر سر سلطان کی گود میں جا گرا۔ سر سلطان غصّے سے عمران کی طرف پلٹے لیکن عمران وہاں کہاں تھا...

وہ تو اپنی فیاٹ کو اندھا دھند بھگائے، نہ جانے کدھر جا رہا تھا۔



بلیک زیرو نے ہوش میں آتے ہی اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی لیکن درد کی ایک شدید لہر ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی اور وہ کراہ کر رہ گیا۔ اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس کی تمام تر قوتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ بلیک زیرو نے درد سے مغلوب ہو کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اس طرح بھی وہ

یادداشت واپس نہ لا سکا۔

چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔

اچانک اُس کا ہاتھ اپنے سینے سے چھو گیا اور وہ چونک پڑا۔ اس نے تیزی سے بقیہ جسم کو ٹٹولا اور تعجب سے بڑبڑایا۔ ”پیراشوٹ کی ڈوریاں... اوہ خدایا میں.“

... اور پھر اس کی یادداشت عود کر آئی۔

اُسے یاد آ گیا کہ وہ ہوائی سفر کر رہا تھا کہ اچانک ہی جہاز حادثے کا شکار ہو گیا۔ پھر اُس کے ذہن میں دروازے سے ٹکرانے کا منظر گھوم گیا۔ ”اوہ، میں تو وہاں جہاز ہی میں بے ہوش ہو کر گر گیا تھا۔“ بلیک زیرو بے قراری سے اچھل کر بیٹھ گیا اور پھر اس کے حلق سے کئی گھٹی گھٹی چیخیں نکل گئیں۔

اچانک اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ دُور سامنے کی پہاڑی پر کوئی چیز جل رہی تھی۔ بلیک زیرو نے آنکھیں مل مل کر دیکھا لیکن یہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔ ایک حقیقت تھی۔ اس نے ایک روشن دھبہ متحرک دیکھا۔ چند لمحوں بعد روشنی اور بھی نمایاں ہو گئی۔

یہ ایک روشن لالٹین تھی۔

سیاہ لبادے میں ملبوس کوئی شخص لالٹین اُٹھائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بلیک زیرو نے چاروں طرف دیکھا۔

وہ ایک اندھیرے غار میں نرم نرم گھاس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور پیراشوٹ ابھی تک اس کے جسم پر موجود تھا۔ سیاہ لبادے والا وہ شخص غار کے دہانے پر آ کر رک گیا۔ اس نے لالٹین کی بتی اُونچی کر کے روشنی تیز کر دی۔ اب وہ بلیک زیرو کی طرف بڑھ رہا تھا۔

لالٹین کی مدھم روشنی سے غار میں ملگجا سا اُجالا پھیل رہا تھا۔ باہر ہوا سیٹیاں بجا رہی تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ جھونکا غار کے اندر بھی گھس آتا تو بلیک زیرو کو یوں محسوس ہوتا جیسے وہ کسی سرد خانے میں لیٹا ہوا ہو۔

ملگجے اُجالے میں بلیک زیرو نے اس سیاہ لبادے والے شخص کو غور سے دیکھا اور اپنی اعصابی قوتوں کو مجتمع کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا حالانکہ ذرا سی حرکت کرنے پر چیخیں نکل جاتی تھیں۔

سیاہ پوش نے لالٹین کی بتی کچھ اور اُونچی کر دی اور لالٹین بلیک زیرو کے رُوبرو لے آیا۔ غالباً یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ زندہ ہے یا دم توڑ چکا ہے۔

بلیک زیرو دم سادھے پڑا رہا۔ البتہ اس نے اپنی آنکھوں میں ذرا سی جھری پیدا کر کے آنے والے کی طرف دیکھا اور اس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

وہ ایک نہایت ہی ضعیف عورت تھی۔ جس کے چہرے پر لاتعداد جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔

”م... میں... میں کہاں ہوں؟“ بلیک زیرو بڑبڑایا۔

بوڑھی عورت نے پلکیں جھپکا کر اُسے دیکھا۔

شاید وہ اس کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔ اُس نے جواباً مختصراً کچھ کہا جو بلیک زیرو کے پلے نہیں پڑا۔ اسی سے بلیک زیرو کو اندازہ ہو گیا کہ بڑھیا عربی سے ناواقف ہے۔ بلیک زیرو نے بین الاقوامی زبان، اشارے بازی کا سہارا لیا۔ اس نے اشارے سے بڑھیا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی ایسے آدمی کو لے کر آئے جو اس کی زبان سمجھ سکتا ہو۔ جواباً بڑھیا کے چہرے کی جھریاں یوں منتشر ہونے لگیں جیسے پتھر گرنے سے ٹھہرے ہوئے پانی میں لہریں حرکت کرتی ہیں۔ غالباً اس نے بلیک زیرو کے اشاروں پر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ بلیک زیرو نے اس کے چہرے پر نورانی تقدس کی جھلک محسوس کی جس میں مسکرانے کی وجہ سے اضافہ ہو گیا تھا۔ بلیک زیرو کا دل اطمینان سے لبریز ہو گیا اور وہ بھی جواباً مسکرانے لگا۔

اُسے مسکراتے دیکھ کر بڑھیا کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اُس کے حلق سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ اس نے بلیک زیرو کو کوئی اشارہ کیا اور تیزی سے واپس چل دی۔

اب پھر وہ تنہا رہ گیا۔ غار میں گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ بالکل قبر کی سی تاریکی تھی۔ بلیک زیرو کے دل میں اندیشے جنم لینے لگے۔ نہ جانے یہ کون سی جگہ ہے۔ اسے کون لوگ اُٹھا لائے ہیں۔ کہیں وہ دشمن ہاتھوں میں تو نہیں آ پہنچا... پھر اسے دمشق میں ہونے والی وہ اہم ترین کانفرنس یاد آئی، جس میں اس کی موجودگی انتہائی ضروری تھی لیکن قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ وہ یہاں ایک اندھیرے غار میں

بے یارو مددگار پڑا ہوا ہے۔ جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ خود ہی اُٹھ کر کسی طرف روانہ ہو جائے اور پھر کسی نہ کسی طرح منزلِ مقصود کا تعین کر کے یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائے... پھر اُمید کی ایک کرن، اس کے تاریک ذہن میں روشن ہو گئی۔ اجنبی بُڑھیا کے چہرے پر جو دوستانہ تاثرات تھے انھوں نے اُسے حوصلہ دیا اور وہ یہ سوچ کر قدرے پُرسکون ہو گیا، آج نہیں تو کل اس قابل ہو جائے گا کہ اپنے لیے خود ہی کوئی راہ متعین کر لے گا۔

اس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر مزید گہری ہو گئی اور پھر وہ چکرا کر رہ گیا۔ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے وہ کب تک بے ہوش رہا۔ ہوش میں آیا تو غار میں پہلے ہی جیسا ملگجا اجالا تھا۔ بلیک زیرو نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی لیکن ایک نرم اور نازک ہاتھ کے لمس نے اُسے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ اس کے سامنے ایک حسین لڑکی بیٹھی تھی۔ لڑکی نے بلیک زیرو کو ہوش میں آتے دیکھا تو اس کے تازہ گلاب جیسے سُرخ لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "لیٹے رہیے۔ زخموں کی وجہ سے آپ نڈھال ہیں۔"

لڑکی کی مترنم اور ملائم آواز نے جیسے اُس کے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔ وہ خود کو بہتر محسوس کر کے اُٹھنے لگا لیکن نازک ہاتھوں نے اُسے پھر روک دیا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر لیٹ گیا۔ لڑکی نے جملہ عربی زبان میں ادا کیا تھا۔ اس لیے بلیک زیرو کو اطمینان ہو گیا کہ آخر کوئی زبان سمجھنے والا مل ہی گیا۔ اس نے لیٹے لیٹے لڑکی کا جائزہ لیا۔

وہ سیاہ لباس میں آسمان سے اُتری ہوئی حور دکھائی دیتی تھی۔ گھنیری سیاہ پلکوں پر حیا کا پہرہ تھا۔ اَبرو اس کی آنکھوں پر کمان کی طرح محسوس ہو رہے تھے۔ بلیک زیرو کو اس طرح متوجہ پا کر لڑکی کے حسین چہرے پر گلابی رنگ دوڑ گیا اور اس کی حیا آلود آنکھیں جھک گئیں۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں اپنائیت کا تاثر تھا۔

"کیسے ہو رفیق؟" لڑکی نے مترنم لہجے میں پوچھا۔

"تمھاری مسکراہٹ نے زندگی بخش دی ہے۔" بلیک زیرو کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"زندگی قدرت کا عطیّہ ہے، رفیق خُدا کا شکر ادا کرو۔"

"بے شک... لیکن تمھارے رویّے نے مجھے اندیشوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ تمھارا نام کیا ہے، میری محسن؟"

"طاہرہ..." لڑکی نے مترنم لہجے میں جواب دیا۔ "اور آپ کا؟"

"اتفاق سے میرا نام طاہر ہے۔"

لڑکی بلیک زیرو کے پُرکشش چہرے کو تکنے لگی جس پر معصومیت چیخ چیخ کر اس کے اعلیٰ کردار کی قسمیں کھا رہی تھی۔ اسے احساس ہو گیا کہ وہ محویت میں طاہر کو دیکھے جا رہی ہے۔ اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔

"لاؤ رفیق، پیراشوٹ کی ڈوریاں کھول دُوں۔" لڑکی نے اُسے سہارا دے کر بٹھایا اور اس کے جسم سے ڈوریاں الگ کرنے لگی۔

پیراشوٹ کی گرفت سے آزاد ہو کر طاہر نے ایک گہرا سانس لیا۔ لڑکی اب اس کے جسم کا جائزہ لے رہی تھی۔ جلد ہی اس نے بلیک زیرو کے جسم پر لگے ہوئے زخموں کو تلاش کر لیا پھر اس کا ہاتھ بلیک زیرو کے سر پر رینگنے لگا۔ ایک جگہ ہاتھ لگا تو بلیک زیرو کے حلق سے سسکی نکل گئی۔ یہ کھوپڑی کا عقبی حصّہ تھا، جہاں زخم خاصا گہرا تھا۔

"آہستہ... شور مت مچاؤ۔ ہمارے دشمن زیادہ دُور نہیں ہیں۔"

"اوہ... لیکن یہاں میرا کون دشمن ہو سکتا ہے؟" بلیک زیرو نے چونک کر پوچھا۔

"لونا اسٹیٹ کی خفیہ پولیس، جو اس وقت ریاست کے چپّے چپّے پر آپ کو تلاش کر رہی ہے۔" لڑکی نے انکشاف کیا۔

"لیکن انھیں میری تلاش کیوں ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ جہاز کے حادثے میں صرف تم ہی باقی ہو۔ باقی تمام آدمی خفیہ پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہیں یا مر چکے ہیں۔"

"اوہ..." بلیک زیرو مزید کچھ نہ کہہ سکا، دیسے وہ حیران تھا کہ یہ کیا اسرار ہے۔ آخر خفیہ پولیس کو اس کی تلاش کیوں ہے؟

"آپ اس وقت ریاست لونا کے مشرق میں پھیلے ہوئے پہاڑوں میں ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلہ دفدا کہلاتا ہے اور لونا اسٹیٹ کی اسرائیلی سیکرٹ سروس کو آپ کی تلاش ہے۔"

بلیک زیرو کے ذہن میں وہ ٹھگنا سا آدمی گھوم گیا... جو جہاز میں اس کی سیٹ کے قریب آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک شبے نے سر ابھارا۔ کہیں وہ کوئی خفیہ پیغام تو نہیں دینا چاہتا تھا جو موت کے ہاتھوں مجبور ہو کر نہ دے سکا اور یہودی افسروں کو شبہ ہو گیا ہو کہ اس نے مجھے کوئی بات بتا دی ہے؟... لیکن ٹھگنے آدمی نے تو زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا... پھر یہ کیا اسرار ہے؟

"میرے ساتھیوں کے آنے تک آرام کریں۔ وہ آپ کو کسی مزید محفوظ جگہ منتقل کر دیں گے۔" لڑکی کہہ رہی تھی۔

"تمہارا تعلق کن لوگوں سے ہے، میری محسن؟"

"ہماری جماعت کا نام محبانِ آزاد فلسطین ہے۔ اس جماعت میں نہ صرف فلسطین کے مسلمان حصہ لے رہے ہیں بلکہ وہ تمام غیر مسلم قبیلے بھی اس نام نہاد یہودی حکومت کے خلاف صف آرا ہیں جنھیں یہودیوں سے اختلاف ہے۔"

"غیر مسلم قبائل کو یہودیوں سے کیا اختلافات ہو سکتے ہیں؟"

"یہ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ غیر فلسطینی ان کی زمینوں اور جائدادوں پر قابض ہو جائیں۔"

"تو یہ سب لوگ ایک خاص مقصد کے تحت متحد ہو گئے ہیں۔ ان کے درمیان کچھ ذاتی اختلافات بھی تو ہوں گے؟"

"ہاں... لیکن ذاتی اختلافات کے لیے اپنا وجود برقرار رکھنا بھی تو ضروری ہوتا ہے۔" لڑکی یہ کہہ کر ہنس پڑی۔ "میں نے کتنی احمقانہ بات کی ہے، رفیق۔ آپ محسوس نہ کریں۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔"

بلیک زیرو لڑکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جو اتنی کم عمری میں اتنے پختہ ذہن اور ذاتی نظریات کی مالک تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اچانک اسے ہلکی سی سرسراہٹ محسوس ہوئی اور پھر لڑکی کی ہلکی سی چیخ بھی سنائی دی۔

"دیکھو رفیق۔ آپ کی جیب سے کتنی عجیب چیز برآمد ہوئی ہے۔"

بلیک زیرو نے آنکھیں کھول دیں۔ لڑکی کے ہاتھ پر ایک ننھا سا بچھو تھا۔ سیاہ رنگ کا خوبصورت دھات سے بنا ہوا یہ بچھو دیکھنے میں بالکل اصلی محسوس ہوتا تھا...

"میری جیب سے؟" بلیک زیرو نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ پیراشوٹ اتارتے وقت بار بار میرے ہاتھ اس سخت چیز سے ٹکرا رہے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ چیز آپ کو تکلیف نہ دے رہی ہو، اسے باہر نکال لیا۔"

"یہ کھلونا میرا نہیں ہے۔" بلیک زیرو نے جواب دیا۔ اور معاً اس کے ذہن میں جہاز میں سوار ہونے والا وہ زخمی گھوم گیا لیکن اس نے تو یہ چیز اس کی جیب میں نہیں ڈالی تھی۔ ایک مرتے ہوئے آدمی کو اس وقت مذاق بھلا کیوں کر سوجھے گا؟ اچانک بلیک زیرو کا سر تیزی سے گھومنے لگا اور پھر اس کے سینے پر جیسے کوئی بوجھ بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھا گیا۔ کھوپڑی کا زخم اب بہت دکھنے لگا تھا۔ تکلیف ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔ پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے۔ اگر لڑکی جلدی سے اسے سہارا نہ دیتی تو شاید اس کا سر پتھریلی زمین کے ساتھ بڑے زور سے ٹکرا گیا ہوتا۔

طاہرہ بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جو اس وقت کسی معصوم بچے کی طرح بے سدھ پڑا تھا۔ طاہرہ نے ہاتھ پر رکھے ہوئے آہنی بچھوے کو دیکھا اور لالٹین کی مدھم روشنی میں اسے چھیڑنے لگی۔



ٹیلی فون کی گھنٹی کسی باتونی اور چڑچڑی بیوی کی طرح چلائے جا رہی تھی۔ صفدر نے ڈھیلی سی انگڑائی لی اور ریسیور اٹھا لیا۔ "کون ہے بھائی؟"

"ایکسٹو..." دوسری طرف سے مخصوص بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یس سر۔ صفدر دس سائیڈ۔" وہ مستعدی سے بولا۔

"ایک دور دراز کے سفر کے لیے تیار ہو کر عمران کے فلیٹ پر پہنچ جاؤ۔ بقیہ ہدایات تمھیں عمران ہی سے ملیں گی۔"

"او کے سر۔ آئی ایم ریڈی۔"

"خیال رہے کہ یہ مشن انتہائی اہم، ملکی وقار اور سالمیت کے لیے ضروری ہے۔"
"میں آپ کی توقعات پر پورا اُترنے کی کوشش کروں گا جناب۔"
"مجھے تمہاری صلاحیتوں پر ناز ہے صفدر۔"
"تھینک یو سر۔"
"وِش یو گڈ لک" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ صفدر خوشی سے ناچ گیا۔ ظاہر ہے ایکسٹو کا یہ تعریفی جملہ اس کے لیے زندگی کا حاصل تھا۔ مشن پر روانہ ہونے سے قبل ہی ایکسٹو نے اس کی صلاحیتوں پر اطمینان کا اظہار کردیا تھا اور یہ بات صفدر کے لیے اس قدر خوش کن تھی کہ وہ ان دیکھی گہرائیوں میں بھی کُودنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے تیار ہونے میں دیر نہیں لگائی۔ جلدی سے نیچے اترا پھر ایک ٹیکسی روک کر عمران کے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس نے سگریٹ سلگا کر پشت گاہ سے ٹیک لگائی اور اس دور دراز کے سفر کے بارے میں سوچنے لگا جس کے لیے ایکسٹو کی نظر انتخاب صرف اسی پر پڑی تھی۔
وہ مختلف قسم کے خیالوں میں ڈوبا ہوا سگریٹ کے کش لگاتا رہا اور اُسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب ٹیکسی منزل مقصود پر پہنچ کر رُک گئی۔ دھچکا لگنے سے وہ چونک پڑا۔ ٹیکسی عمارت کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ وہ کرایہ ادا کرکے سیٹی بجاتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔
چند منٹ بعد وہ عمران کے فلیٹ کی کال بیل بجا رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور حضرت عمران کا حماقت مآب چہرہ دکھائی دیا۔ "فرمائیے۔ کیا خدمت کرنے آئے ہیں آپ؟" عمران کے چہرے پر شناسائی کا ذرا بھی تاثر نہیں تھا۔
صفدر پہلے تو چونکا پھر مسکرا دیا شاید وہ عمران کا مقصد سمجھ گیا تھا اُس نے بڑے ہی مودب لہجے میں کہا۔ "میرا نام صفدر ہے اور آپ ہی نے مجھے یاد کیا تھا۔"
"یاد کیا تھا۔" عمران نے حیرت سے دیدے نچائے۔ "ہاں۔ ہاں ہاں۔ میں تو کل ہی سے تمہاری یاد میں آہیں بھر رہا ہوں۔"
"خیریت۔۔۔؟"
"کہاں میاں۔ آج کل کاروباری مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔"
"کاروبار۔ کیسا کاروبار عمران صاحب؟" صفدر نے حیرت سے پوچھا۔
"بھئی قطب شمالی سے کئی آرڈر آئے رکھے ہیں۔"
"کیسے آرڈر۔۔۔؟"
"کتوں کی لنگوٹیاں سپلائی کرنے کے آرڈر۔۔" عمران نے اطمینان سے جواب دیا اور دروازے سے ہٹ گیا۔
صفدر حیرت زدہ سا اندر داخل ہوگیا۔ چھپاک۔ کوئی لجلجی سی چیز صفدر کی ناک سے ٹکرائی اور کوٹ پر گر گئی۔ اس نے جلدی سے ناک کھجا کر کوٹ کی طرف دیکھا۔ جہاں ایک مینڈک بڑے اطمینان سے چپٹا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔ پھر وہ چیز جیسے ہی صفدر کے ہاتھ میں آئی، اس نے زور سے ہاتھ جھٹک دیا۔ ہاتھ میں مینڈک کے علاوہ کیا ہوسکتا تھا؟ "یہ اس قدر مینڈک کہاں سے آگئے۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"میں نے سب دھندے چھوڑ کر مینڈک کی فارم کھول لیا ہے۔ سُنا ہے، اس سے زیادہ وفادار جانور پوری دُنیا میں نہیں ہے۔"
"آپ کو کراہت نہیں آتی؟" صفدر یہ کہہ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ چر۔ چیں۔ چیں۔ آواز آئی اور صفدر اچھل پڑا۔ بے خیالی میں وہ ایک مینڈک پر بیٹھ گیا تھا۔
"کیا مصیبت ہے۔" وہ بھنا گیا۔
"بیٹھو بیٹھو۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔" عمران نے بے نیازی سے فرمایا اور صفدر کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اب بڑی دیکھ بھال کے بعد صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ "ہاں کہو۔ آج کس طرح راستہ بھول گئے؟"
"عمران صاحب پلیز آج بور ہونے کا قطعاً موڈ نہیں۔" صفدر نے بے بسی سے کہا۔
"تو پھر کسی اور وقت تشریف لائیے گا۔"
"مجھے ایکسٹو نے فون کیا تھا۔" صفدر نے مطلب کی بات نکالی۔
"یہ اس کی پُرانی عادت ہے۔ کوئی نئی بات کرو۔"
"لیکن بات بالکل نئی ہے۔"
"وہ کیا۔۔۔؟" عمران نے پوچھا۔

"مذاق چھوڑیے اور اس سفر کے بارے میں بتائیں جس پر ہمیں روانہ ہونا ہے"۔
"اوہ تو کیا اس نے تمھیں میرے ساتھ قطب شمالی جانے کے لیے بھیجا ہے"۔
"پلیز عمران صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں"۔ صفدر نے اسے مکھن لگانے کی کوشش کی۔
عمران گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ صفدر نے بھی اُسے چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ جس قدر وہ اصرار کرے گا' عمران پھیلتا ہی جائے گا۔ آخر عمران نے آنکھیں کھولیں اور بولا۔ "ہمیں کل رات پیراشوٹ کے ذریعے لونا اسٹیٹ میں اُترنا ہے"۔
"اوہ۔ خیریت؟"
"ہاں' خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں"۔
"میرا مطلب تھا' اس مشن کا کیا مقصد ہے؟"
"ایک کچھوا پار کر کے لانا ہے"۔
"عمران صاحب پلیز"۔ صفدر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔
"یہ حقیقت ہے پیارے' اب ایکسٹو کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے یہ مینڈک اسی لیے پال رکھے ہیں کہ شاید کسی روز وہ انہی کا تقاضا کر بیٹھے"۔
"آخر آپ سنجیدگی سے بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہے؟" صفدر جھلا گیا۔
"مت مانو... لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمیں یہ سفر اسی لیے کرنا ہے"۔ عمران نے گہری نظروں سے صفدر کا جائزہ لیا جو بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"خیر..."۔ صفدر نے ایک طویل سانس لی اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
عمران نے دھیرے دھیرے اُسے مشن کے بارے میں بتا دیا اور صفدر حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے گھورنے لگا۔ شاید اسے بھی یقین آ گیا تھا ایک کچھوے کا حصول ہی ان کا مشن ہے۔ "بہت اہم مشن ہے عمران صاحب"۔ وہ بڑبڑایا۔
"ہاں پیارے اگر وہ کچھوا بال بچے دار ہوا تو مشن اور بھی اہم ہو جائے گا"۔
صفدر ہنسنے لگا۔
"چلو اب ہمیں رانا پیلس جانا ہے جہاں چند مصری ماہرین ہمیں ہدایت نامہ کچھوا پڑھ کر سنائیں گے"۔ عمران یہ کہہ کر اٹھ گیا۔
دونوں نیچے آئے اور عمران کی فیاٹ میں رانا پیلس کی طرف روانہ ہو گئے۔ رانا پیلس پہنچ کر عمران' فیاٹ کو جوزف کے حوالے کر کے صفدر کے ساتھ اندر چلا گیا۔
کمرے میں چار آدمی بیٹھے کسی مسئلے پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ مسٹر شامی جو مصری سیکرٹ سروس کے چیف تھے اپنی جگہ سے اُٹھے اور عمران سے مصافحہ کیا۔ عمران انھیں دیکھ کر ندیدوں کی طرح منہ چلانے لگا۔ مسٹر شامی بُری طرح جھینپ گئے۔ "یہ کیا حرکت ہے؟"
"آپ کو دیکھ کر مجھے شامی کباب یاد آ جاتے ہیں"۔ عمران بدستور منہ چلاتا رہا اور پھر صفدر کی طرف گھوم کر کہا۔ "یہ میرے یارِ غار مسٹر صفدر سعید ہیں"۔
"بڑی خوشی ہوئی"۔ صفدر نے شامی سے مصافحہ کیا۔
... پھر شامی نے بقیہ تین آدمیوں سے تعارف کرایا۔ یہ تینوں مصری ماہرین تھے جنھوں نے ان کو ریاست لونا کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ایسی ٹریننگ دینا تھی کہ عمران اور صفدر' اسرائیلی جاسوسوں کو دھوکا دینے میں کامیاب رہیں۔
سب سے پہلے تو ان دونوں کے نام تجویز کیے گئے۔ عمران کو فرینچو کا نام دیا گیا اور صفدر کو زہراب کہہ کر پکارا جانے لگا۔ اس کے بعد انھیں ان کے ہم نام لوگوں کے ماضی اور حال کے ان واقعات سے روشناس کرایا گیا جو اُن لوگوں پر لونا ریاست میں گزرے تھے۔ ظاہر ہے' اپنے ہم ناموں کے میک اپ میں رہ کر انھیں پورے بیک گراؤنڈ سے باخبر رہنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد ماہرین نے اپنے انداز میں انھیں کئی طرح سے آزمایا اور جب وہ مطمئن ہو گئے تو ان کے میک اپ کی باری آئی۔
نہایت ہی موٹے اور بھدے قسم کے کپڑے انھیں پہنائے گئے۔ پیروں میں وزنی بوٹ جو پتھریلی زمین کی وجہ سے پوری ریاست میں پہنے جاتے ہیں۔ سروں پر بھیڑ کی کھال کی ٹوپیاں جو سردی سے بچنے کے لیے انتہائی مفید اور علاقے کے فیشن کے عین مطابق تھیں۔ مقامی تمباکو اور پائپ بھی انھیں مہیا

کیے گئے، پھر چند ایسی چیزیں جن کی موجودگی انتہائی خطرناک تھی لیکن ان کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ یعنی اسٹیٹ کا نقشہ اور محبانِ فلسطین کا شناختی نشان جو ایک میلے کچیلے کاغذ پر بنایا گیا تھا تاکہ سرسری نظر میں وہ کسی خصوصیت کا حامل محسوس نہ ہو۔ نقشے کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتے تھے جبکہ جماعت کے نشان کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ بالفرض وہ اس جماعت تک پہنچ بھی جاتے تو شناختی نشان کے بغیر ان پر کبھی یقین نہ کیا جاتا۔ ایسے میں سارا کیا دھرا ہی بیکار جاتا۔ بعد ازاں ان کو مقامی ساخت کے پستول بھی دیے گئے۔ یہ دیسی ساخت کے پستول، لونا ریاست کا ہر شخص اپنے پاس رکھ سکتا تھا لہٰذا اسلحے کے سلسلے میں انھیں بڑی حد تک بے فکری ہو گئی۔ پستول مضبوط تھے اور ان کی کارکردگی بہترین تھی۔ اس کے بعد ماہرین نے ریکارڈ پلیئر پر ایک ریکارڈ چلایا۔ کمرے میں مصری ناچ کی ایک دھن گونج اٹھی۔ انتہائی تیز اور ہیجانی قسم کے رقص کی دھن تھی۔ صفدر اور عمران ریکارڈ ختم ہونے تک اس دھن میں کھوئے رہے۔

"مسٹر فریجو! جس وقت آپ مطلوبہ شے حاصل کر کے جماعت تک پہنچ جائیں تو انھیں یہ دھن نشر کرنے کے لیے کہہ دیں۔ ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ لوگ کامیابی سے منزل پر پہنچ گئے ہیں پھر ہم آپ کو قاہرہ منگوانے کا بندوبست کر لیں گے۔"

"اور کوئی سوال؟" شامی نے صفدر اور عمران کی طرف دیکھا۔

"ہم مطمئن ہیں۔ آپ اچھی طرح اطمینان کر لیں۔" صفدر نے عبرانی زبان میں جواب دیا۔

سیکرٹ سروس کے ممبروں میں عمران اور صفدر کے علاوہ کوئی یہ زبان نہیں جانتا تھا۔ اس لیے صفدر خوش تھا کہ چلو اس مرتبہ زبان دانی کا امتحان ہی سہی۔ عمران نے فارغ ہوتے ہی مینڈکوں کا تذکرہ نکال لیا۔ ... پھر اس نے مصری ماہرین کو مینڈکوں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بتائیں کہ وہ پہلے تو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے پھر بیزار ہوتے چلے گئے۔ لیکن عمران کے پاس معلومات کا خزانہ تھا جو ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ مجبوراً ماہرین کو اسے مینڈکوں کی انسائیکلوپیڈیا کا خطاب دے کر پیچھا چھڑانا پڑا۔ اس پر عمران نے کہا کہ کبھی وہ فرصت کے وقت اس سے ملیں تو وہ دیگر جانوروں کے بارے میں ایسی ہی معلومات فراہم کر سکتا ہے۔

ماہرین ایک طویل سانس لے کر رہ گئے۔

▲

بلیک زیرو کئی گھنٹے بعد ہوش میں آیا۔

اس وقت غار میں دھندلی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ تبدیلی ہوئی بھی تو وہ محض یہ کہ سردی میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں طاہرہ ہتھیلی پر اس خوبصورت چھوٹے کو رکھے انگشتِ شہادت سے یوں چھیڑ رہی تھی جیسے وہ زندہ رہا ہو۔ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کی آمیزش سے، اس کا چہرہ انتہائی معصوم اور پُرکشش دکھائی دے رہا تھا۔ بلیک زیرو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں اس کھلونے کو لے لوں رفیق؟" طاہرہ نے اسے ہوش میں دیکھ کر پوچھا۔

"لے لو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"یہ کتنا خوبصورت ہے۔ نہ جانے کہاں سے آیا ہے؟"

اچانک غار کے اوپر، پتھروں کے لڑھکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

طاہرہ چونک اٹھی۔ اس نے پھرتی سے لالٹین کی روشنی دھیمی کر کے اس پر ایک سیاہ کپڑا ڈال دیا۔ غار مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔ صرف بلیک زیرو اور طاہرہ کی سانسوں کی آوازیں یا پھر باہر ہوا کی سائیں سائیں اور غار کے اوپر پتھروں کے لڑھکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں... اور پھر کسی کے قدموں کی چاپ گونجنے لگی۔



اس سنسنی خیز ناول کے مزید سنسنی آمیز واقعات کے لیے ہمارا آئندہ شمارہ ملاحظہ کیجیے!

دوسرا اور آخری حصّہ



عمران سیریز کا ھنگامہ خیز ناول

اظہر کلیم

فائرنگ سے رات کا سناٹا مجروح ہوگیا بے شمار دھماکے بیک وقت گونجے تھے۔ پھر جھاڑی کی شاخیں کڑکڑا کر ٹوٹیں اور ایکدم سے شور بلند ہوا۔ صفدر زمین سے چپک گیا۔ وہاں رُکنا خطرناک تھا۔ اُس نے تیزی سے پیٹ کے بل رینگنا شروع کر دیا۔ لیکن قسمت شاید اُس پر مہربان نہیں تھی۔ اچانک ہی وہ روشنی میں نہا گیا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر ساکت ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے کئی رائفلیں اُس کے سینے سے آ لگیں۔

وہ عبرانی میں چیخا ”میں بے قصور ہوں۔ مَیں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

”اِسی لیے چوروں کی طرح چُھپتے پھر رہے ہو۔ چلو اُٹھو۔“ ایک فوجی نے رائفل کا دباؤ اُس کے سینے پر بڑھا دیا۔

”مَیں... مَیں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مَیں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“ صفدر نے عبرانی میں چیخ و پکار جاری رکھی۔

”کوئی بات نہیں۔ دوبارہ موقع ملے گا تو ضرور کر لینا۔“ ایک سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا تو باقی گدھوں کی طرح رینک رینک کر قہقہے لگانے لگے۔

”یہاں کیا شور ہو رہا ہے؟“ اچانک ایک دھاڑ سُنائی دی۔

سب فوجی چونک کر عقب میں دیکھنے لگے‘ جدھر سے ایک لمبا تڑنگا آدمی چلا آ رہا تھا۔ اگلی ہی ساعت تمام فوجی اٹینشن ہو گئے۔

آنے والا غالباً کوئی افسر تھا۔

صفدر اُس وقت بھی زمین پر پڑا چیخ رہا تھا۔ وہ کئی ٹارچوں کی روشنی میں سر سے پاؤں تک نہایا ہُوا تھا۔

”یہ کون ہے؟“ آنے والے افسر نے پُوچھا۔

”معلوم نہیں کرنل۔ زبان تو اپنی ہی بول رہا ہے۔“ ایک فوجی نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

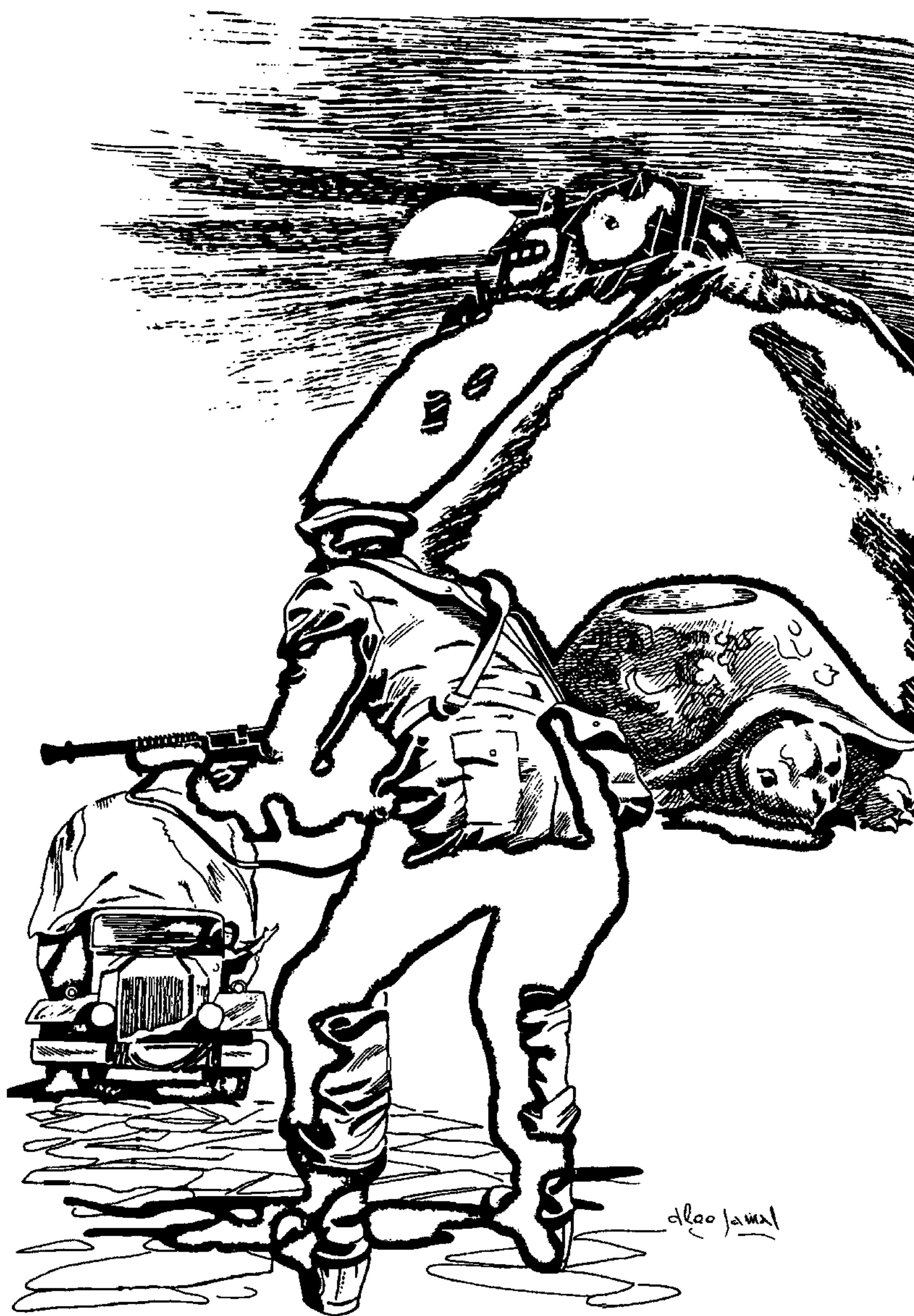
کرنل‘ صفدر پر جھک گیا۔ ”لباس تو ویسا ہی پہن رکھا ہے۔“ کرنل بڑبڑایا۔

”یہ لباس میرا نہیں ہے۔ یہ میرا نہیں ہے۔“ صفدر نے فوراً کہا۔

”ہائیں... یعنی... حالانکہ تم اِسے پہنے ہُوئے



عمران کے سدا بہار کردار پر ایک دلچسپ اور قہقہہ بار تحریر
قارئینِ انشاء کی فرمائش پر بطورِ خاص ایک سنسنی خیز ناول



ہو۔" کرنل کے لہجے میں مصنوعی حیرت تھی۔

"یہ ایک آدمی نے مجھے بے ہوش کر کے پہنایا ہے۔" صفدر نے کہا۔

"اور اُس سے پہلے کیا تم یوں ہی گھوم رہے تھے؟" کرنل اب بھی متحیر تھا۔

"جی نہیں، وہ میرے کپڑے اُتار کر اپنا لباس مجھے پہنا گیا ہے۔" صفدر نے جلدی سے وضاحت کی اور اُٹھ کر کرنل کی ٹانگوں سے لپٹ کر چیخنے لگا "یہ کیا قیامت ہے۔ خود اپنوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا ہوں۔"

"تعجب ہے۔ چلو اُٹھو۔" کرنل نے اُلجھن سے کہا اور ایک فوجی کو اشارہ کیا۔ جس نے صفدر کو کالر سے پکڑ کر اُٹھا دیا۔ "اسے قلعے میں بھیج دو۔ چیف خود ہی فیصلہ کرے گا۔"

"لیکن... میں... میں۔"

"ہاں تم اِس وقت ایک خوف زدہ بکرے سے ہی دکھائی دے رہے ہو۔" کرنل نے جواب دیا۔ "ہمارا چیف بکروں کو بہت پسند کرتا ہے۔ ممکن ہے، تم اُس کے کسی کام آجاؤ۔"

"افسوس۔ صد افسوس۔ یہ دن بھی دیکھنا تھے۔" صفدر نے کرب ناک لہجے میں کہا۔ وہ اپنی دانست میں فوجیوں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اُنھوں نے ایک غلط آدمی کو پکڑ لیا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب رہا، اس کا اندازہ تو اُسے اس وقت ہوا جب ایک فوجی نے پوری قوت سے رائفل کا کندا اُس کی پسلیوں میں دے مارا۔ "جھوٹے۔ ہم تمھیں خوب جانتے ہیں۔"

صفدر کا خون خشک ہو گیا۔ چوٹ تو اُسے خاصی شدید آئی تھی لیکن فوجی کے جملے نے اُس کے حواس ہی چھین لیے۔ کہیں راز فاش تو نہیں ہو گیا؟ صفدر کے ذہن میں خدشے نے جنم لیا اور اِس کے ساتھ ہی ایک پختہ عزم اُس کے اعصاب کے لیے سہارا بن گیا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنا یہ ڈھونگ مرتے دم تک برقرار رکھے گا۔

فوجی اُسے دھکیلتے ہوئے شیڈ کی طرف لے جا رہے تھے۔

شیڈ تک پہنچتے پہنچتے صفدر کو کئی ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ سینکڑوں گالیاں برداشت کرنا پڑیں لیکن وہ تو بس ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھا۔ "اپنے محافظوں سے ہی یہ ذلت اُٹھانا تھی۔ اب اپنے بھی بیگانے ہو گئے ہیں۔" وہ چلّاتا رہا لیکن اُس کی گلو خلاصی شیڈ میں پہنچ کر ہی ہوئی۔ وہاں اُسے کشاں کشاں ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

کمرے میں ایک بوڑھا کرنل کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غراتا ہوا ٹہل رہا تھا۔ صفدر پر نگاہ پڑتے ہی وہ گھونسہ تان کر اُس کی طرف بڑھا۔ "تم ذلیل کتے۔ تمھاری یہ جرأت کہ ہماری چوکی میں گھس کر ہمارے آدمیوں کو ٹھکانے لگا دو۔ میں تمھارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں گا۔"

اس دوران دوسرا کرنل بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے آتے ہی بوڑھے کرنل کو روکا ورنہ شاید صفدر کی اچھی خاصی مرمت ہو گئی ہوتی۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک باوردی افسر اندر آگیا۔ اُس کے آتے ہی دونوں کرنل صفدر کی طرف اشارہ کر کے خاموش کھڑے ہو گئے۔

اُس افسر نے فوراً ہی عربی میں صفدر سے باز پرس شروع کر دی اور جواباً صفدر اُسے یوں پلکیں جھپکا جھپکا کر دیکھنے لگا جیسے اُس کے پلّے ایک لفظ بھی نہ پڑ رہا ہو۔ افسر نے کئی مرتبہ اُسے جھنجوڑا، ساتھ ہی سوالوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا، پھر وہ ہانپ کر الگ ہو گیا۔ اُس نے طویل القامت کرنل کی طرف دیکھ کر مایوسی سے سر جھٹک کر کہا۔ "نہیں، یہ شخص عربی نہیں جانتا۔"

"حیرت ہے۔ حیرت ہے۔" طویل القامت کرنل بڑبڑایا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی کرنل۔" افسر نے دوبارہ کہا۔

"میں کہتا ہوں۔ اب ہمیں خودکشی کر لینی چاہیے۔ غضب ہے۔ اِس قدر بے عزتی ہونے کے بعد میں اپنے یہودی ہونے پر کس طرح فخر کر سکتا ہوں۔" صفدر نے مایوسی سے سر جھٹک کر انتہائی دُکھ کا اظہار کیا جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ تمام افسروں کے سر جھک گئے۔ صفدر نے محسوس کیا کہ تیر نشانے پر جا بیٹھا ہے تو وہ انھیں قائل کرنے کے لیے مزید مؤثر لہجے میں بولنے لگا۔

"بس اب خاموش ہو جاؤ۔ اِسے قلعے میں بھجوا دو کرنل۔" افسر نے بوڑھے کرنل کی طرف دیکھتے ہوئے بُجھے

بُجھے سے لہجے میں کہا۔

"ہاں، چیف خود ہی فیصلہ کرے گا۔" بوڑھے کرنل نے تائید میں سر ہلایا۔

دو فوجیوں نے صفدر کو بازوؤں سے پکڑا اور اُسے گھسیٹ کر لے جانے لگے۔ یہ دیکھ کر افسر نے اُنھیں جھڑک دیا۔ "انسانوں کی طرح۔ اگر تمھیں اِس طرح گھسیٹا جائے تو؟"

صفدر کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر وہ مزید تھوڑی سی کوشش کرے تو شاید اُس کی جان یہیں چھوٹ جائے۔ اُس نے ملتجی نگاہوں سے اُس افسر کی طرف دیکھا جس نے اُس سے ہمدردی جتائی تھی۔

"فکر نہ کرو، جوان۔ آج کل حالات ہی ایسے ہیں۔ چیف تمھیں کچھ نہیں کہے گا۔ جاؤ۔" افسر نے اُسے اطمینان دلایا۔

فوجی صفدر کو لیے ہوئے باہر آ گئے۔

"چلیے جناب۔" ... ایک نے مُنھ بنا کر صفدر سے کہا۔ شاید افسر کی لعن طعن سے اُس کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

باہر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ دونوں فوجی صفدر کو لے کر اُس گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ صفدر نے محسوس کیا کہ دونوں سپاہی اُسے بُری طرح گھور رہے ہیں۔ گاڑی دھچکے کھاتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور جب وہ چیک پوسٹ سے دُور نکل آئے تو ایک فوجی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے فوجی سے کہا، "گاڑی روک دو۔"

"کیا بات ہے، یار؟" دوسرا فوجی گاڑی روک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔ تھوڑا سا کام ہے۔" یہ کہہ کر اُس فوجی نے دایاں ہاتھ گھمایا اور صفدر کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔ فوجی اُس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ شاید یہ تواضع اُن جھڑکیوں کے صلے میں تھی جو صفدر کو گھسیٹنے کی وجہ سے افسر نے دی تھیں۔

فوجی کا ہاتھ خاصا وزنی تھا۔ صفدر کا جبڑا ہل گیا۔ اچانک اُس نے دوسرا ہاتھ اُٹھایا لیکن اِس مرتبہ خود فوجی کو چیخ کر ہاتھ پکڑ لینا پڑا۔ صفدر بڑی پھرتی سے الگ ہو گیا تھا۔ فوجی کا ہاتھ گاڑی کے دروازے سے ٹکرایا اور اُس کے مُنھ سے سسکاری نکل گئی۔ ساتھ ہی مغلظات کا طوفان بھی اُبل پڑا۔

"کیا کرتے ہو، یار؟" دوسرے فوجی نے اُسے پکڑ لیا۔

پہلے فوجی نے مچلتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے گاڑی اسٹارٹ کر کے گیئر میں ڈال دی۔

فوجی کا ہاتھ کافی زخمی ہو گیا تھا۔ وہ قہر آلود نگاہوں سے صفدر کو گھورنے لگا۔ دوسرا فوجی اُسے سمجھانے میں مصروف تھا۔ لیکن فوجی کا غصہ تھا کہ ٹھنڈا ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ صفدر یہ دیکھ کر بولا، "میں آپ کے طاقت ور گھونسے سے ڈر گیا تھا جناب۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو چوٹ لگ گئی۔"

"آہم ..." فوجی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرایا۔ "تم نے ابھی میرے ہاتھ دیکھے ہی کہاں ہیں۔"

"اِن مضبوط ہاتھوں کو دشمنوں کے لیے محفوظ رکھیں جناب تاکہ وہ گھروں کو جائیں تو اپنی ماؤں کو بتا سکیں کہ یہودی ماؤں کے دودھ میں کتنی طاقت ہے۔"

صفدر کا یہ تیر نشانے پر بیٹھا۔

فوجی کے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ اُس نے جیب ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور صفدر کی طرف ڈبیہ پھینک دی۔ صفدر نے سگریٹ نکال کر سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لگا کر باہر دیکھنے لگا۔

گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی قلعے کی طرف دوڑ رہی تھی۔

فوجی کے چہرے پر ندامت کا پسینہ تھا۔ صفدر کو اطمینان ہو گیا کہ کم از کم قلعے تک تو خیر و عافیت سے پہنچ جائے گا۔

٭٭٭

مشتبہ لوگوں سے بھری ہوئی گاڑی چونکہ لوگوں سے بُری طرح ٹھنسی ہوئی تھی۔ اِس لیے عمران انتہائی کوشش کے باوجود بھی طاہرہ کو نہیں دیکھ سکا۔ گاڑی اُونچے نیچے راستوں پر ہچکولے کھاتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ ایک جگہ گاڑی کے بریک لگے اور گاڑی میں ٹھنسے ہوئے کئی مردوں اور عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اچانک بریک لگنے کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے پر گر گئے تھے۔ عمران نے گردن نکال کر گاڑی کی کھڑکی سے دیکھا۔ سامنے ایک فوجی چوکی تھی۔

چوکی کے محافظ فوجیوں نے گاڑی کو نرغے میں لے لیا۔ ایک مسلح سپاہی گاڑی کے عقبی حصّے کی طرف بھی

آیا۔ اُس نے ایک نظر ڈالی اور بڑبڑایا۔ "نہ جانے کیا مصیبت ہے؟"

عمران نے پلکیں جھپکا کر اُسے دیکھا۔ اُس کی طبیعت میں چہل تو آئی لیکن وہ اُسے دبانے پر مجبور ہو گیا۔ سپاہی گاڑی کا جائزہ لینے کے بعد دوسری طرف نکل گیا۔ کاغذات چیک کیے گئے اور پھر سڑک کے درمیان لگی ہوئی لکڑی کی رُکاوٹ اُٹھ گئی۔ گاڑی ایک مرتبہ پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔

پون گھنٹے کے جان لیوا سفر کے بعد گاڑی ایک قلعے کے پھاٹک پر جا کر رُک گئی۔ یہاں بھی گاڑی کا اچھی طرح جائزہ لیا گیا۔ ہر طرح سے مطمئن ہو کر محافظ فوجیوں نے قلعے کا خودکار دروازہ کھول دیا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی۔

اندر پہنچ کر عمران کو اندازہ ہوا کہ قلعہ کس قدر وسیع اور مضبوط ہے۔

گاڑی ایک جگہ رُک گئی اور پھر تمام لوگوں کو ایک بڑے سے کمرے میں بھر دیا گیا۔ عمران یہودیوں کی اِس خصوصیت سے بہت متاثر ہُوا کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی جگہ میں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو بھرنا خوب جانتے ہیں۔ اندر آ کر کچھ لوگ اپنی قسمت کو کوسنے لگے اور کچھ خاموشی سے زمین پر دراز ہو گئے۔

کمرے میں صرف دو کھڑکیاں تھیں۔ اور یہ کھڑکیاں بھی خاردار تاروں سے بند کر دی گئی تھیں، شاید اُن میں ہائی پاور کرنٹ بھی دوڑ رہا تھا۔ کمرے کے درمیان چھت سے ایک بلب جھول رہا تھا، جو اپنی برائے نام روشنی سے کمرے کی تاریکی کو دُور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عمران نے سامنے کی دیوار کی طرف دیکھا، جسے باہر کی روشنیاں کھڑکی میں سے آ کر روشن کر رہی تھیں۔ دیوار پر یہودیوں کی شان میں قصیدہ گوئی کے کئی نمونے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ گوہر افشانیاں شاید اُن قیدیوں نے فرمائی تھیں جو اُن سے قبل اِس کمرے میں سرکاری مہمان رہ چکے تھے۔ لکھنے والوں نے دل کی بھڑاس نکالنے میں بڑی فیاضی کا ثبوت دیا تھا۔ ایک جگہ قلعے کے منتظم کی والدہ کی شان میں بھی کچھ تحریر تھا۔ عمران کچھ دیر تو اُن جواہر پاروں میں محو رہا، پھر وہ متلاشی نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اُسے طاہرہ کی تلاش تھی۔ اُس وقت چونکہ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ بنا کر لیٹ یا بیٹھ گیا تھا اس لیے طاہرہ کو تلاش کرنا مشکل نہیں تھا۔ عمران چاروں طرف دیکھتا رہا۔

اچانک کمرے کے خاموش ماحول میں ایک مترنم آواز سُنائی دی۔ عمران چونک کر اُدھر متوجہ ہو گیا۔ وہ طاہرہ ہی تھی اور اُس نے دو بچوں کو گلے سے لگا رکھا تھا۔ عمران نے دیکھا اُس نے اپنا بڑا سا وزنی کوٹ اُتار کر سرہانے رکھ لیا تھا اور اس پر سَر رکھے، بچوں کو پُچکار رہی تھی۔ کمرے میں پھیلے ہوئے مٹیلے اُجالے میں طاہرہ کا مغموم اور متفکر چہرہ اور بھی حسین دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک طاہرہ کے حلق سے عبرانی زبان کی لوری کا ایک مترنم سُر شروع ہو گیا اور کمرے میں موجود ہر کوئی اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

طاہرہ کی آواز میں اِس قدر مٹھاس تھی کہ بہت سے بچے اُٹھ کر اُس کے پاس جا بیٹھے۔ عمران کے دل میں اِک ہُوک سی اُٹھی۔ آواز میں اب اِس قدر درد پیدا ہو گیا تھا کہ پتھر بھی بے قرار ہو کر پگھل جاتا۔ عمران نے اپنے ذہن کو جھٹک دیا اور خود پر حماقت طاری کر لی۔ اُس کے جی میں آیا کہ انگوٹھا چوستا ہُوا اُن بچوں کے پاس جا بیٹھے جو طاہرہ کے گِرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔

طاہرہ کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی اور کمرے میں موجود دوسرے بچے بھی اپنی ماؤں کے پاس سے اُٹھ اُٹھ کر اُس کے قریب جا بیٹھے تھے۔ انھیں طاہرہ کی لوری اتنی پسند آئی کہ کچھ دیر بعد وہ بھی اُس کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر گانے لگے۔ کمرے میں اُس لوری کے بولوں نے زندگی کی لہر دوڑا دی۔ کچھ دیر بعد تو جیسے ہر کوئی یہ بھول ہی گیا کہ وہ یہودیوں کی قید میں ہے جہاں اُن کے ساتھ کتّوں سے بھی بدتر سلوک کیا جا سکتا ہے۔ بچّوں کو خوش اور مگن دیکھ کر دُکھی ماؤں کے چہرے خوشی سے کِھل اُٹھے اور وہ بھی بچّوں کے سُر میں سُر ملا کر گانے لگیں۔ . . اور پھر تو ایسی بے خودی چھا گئی کہ کمرے کا ہر آدمی اُس کورس میں اپنی آواز شامل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ صرف عمران ہی ایسا تھا جو بے وقوفوں کی طرح ایک ایک کا چہرہ تک رہا تھا۔

اچانک کمرے میں ایک بے سُری اور سب سے الگ

آواز گونجی۔ سب لوگ چونک کر عمران کی طرف دیکھنے لگے جو بھونڈی آواز میں گلا پھاڑ کر گا رہا تھا اور پھر کمرے میں موجود ہر ایک اُس کی صورت دیکھنے لگا۔

عمران آنکھیں بند کیے محویت سے گانے میں مصروف تھا۔ اُسے یہ بھی احساس نہ ہُوا کہ کمرے میں اُس کے علاوہ کوئی نہیں گا رہا ہے۔ اُس پر تو ایک دُھن سی سوار تھی اور وہ گائے جا رہا تھا۔ اچانک اُسے اپنے قریب ہی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اُس نے ایک آنکھ میں جھری پیدا کر کے دیکھا۔ یہ ایک ننھا سا بچّہ تھا، جو اُس کے پاس آ کر کھڑا ہُوا تھا اور حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

عمران نے آنکھیں بند کیے گانا جاری رکھا۔

بچّے کو نہ جانے کیا شرارت سُوجھی کہ وہ بھاگا بھاگا اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔

اس نے اپنے تھیلے سے ایک انڈا نکالا اور واپس عمران کی طرف آ گیا۔ اب وہ دونوں ہاتھوں سے انڈا، اپنے پیچھے چھپائے، عمران کی طرف دیکھتا رہا۔ کمرے میں موجود کسی بھی فرد کو یہ احساس تک نہ ہُوا کہ بچّہ کب وہاں سے گیا تھا اور کب واپس آ کر وہاں کھڑا بھی ہو گیا۔

عمران بے سُری آواز میں گلا پھاڑ رہا تھا۔ ایک مرتبہ جو اُس نے زور لگا کر پھاڑ سا مُنہ کھول کر "ہاہا" کی آواز نکالی تو بچّے نے اُس کے مُنہ میں انڈا ٹھونس دیا۔

"آ۔ آغ۔ غغغ۔ غی۔" عمران کی بے سُری آواز ایک دم سُریلی ہو گئی۔ اُس نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کے مُنہ میں انڈا اُس وقت بھی پھنسا ہُوا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ انداز اس قدر احمقانہ تھا کہ ہر شخص پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگا۔

"کتنی سُریلی آواز ہے آپ کی۔" ایک بچّہ تالیاں بجا کر بولا۔ "کیوں امّی، میرا گدھا اس سے اچھا نہیں گاتا تھا نا؟"

"خاموش، بے حیا۔" لڑکے کی ماں نے اُس کی پیٹھ پر دھول جما دی۔

"لیکن اس میں ایک خصوصیت اور بھی ہے۔" عمران کے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے نے چیخ کر کہا۔

"وہ کیا؟" کئی لڑکوں نے پوچھا۔

"یہ انڈے بھی دیتا ہے۔" لڑکے نے یہ کہہ عمران کے ہاتھ سے انڈا جھپٹ لیا جو اُس نے مُنہ سے نکال لیا تھا۔ اِس پر تو ایک طوفان برپا ہو گیا۔

کمرے میں قہقہے ہی قہقہے گونج اُٹھے۔ باہر سے ایک سپاہی دوڑا دوڑا آیا اور دروازے کی دَرز سے لگ کر حیرت سے اندر جھانکنے لگا۔

عمران حیرت سے دیدے نچا نچا کر سب کو دیکھ رہا تھا۔

فوجی مُسکراتا ہُوا واپس چلا گیا۔

چند لمحوں میں یہ طوفان تھم گیا تو بچّے دوبارہ طاہرہ کے پاس جا بیٹھے اور اصرار کرنے لگے کہ وہ ایک لوری اور سُنائے۔

بچّوں کی ضد سے مجبور ہو کر طاہرہ نے ایک لوری اور شروع کر دی۔

انڈے والا بچّہ اُس وقت بھی عمران کے سامنے کھڑا تھا۔ اچانک وہ عمران کی طرف جُھکا۔ عمران نے کان آگے کر دیا۔ "جناب۔ اب آپ خاموش رہیے گا۔" لڑکے نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور یوں اکڑ کر اُس کے سامنے ہی بیٹھ گیا جیسے اس بار عمران نے لوری میں مداخلت کی تو اُسے پھر کوئی مناسب کارروائی کرنا پڑے گی۔

عمران نے گردن جُھکا لی اور مُنہ لٹکا لیا۔

کمرے کے اداس ماحول میں طاہرہ کی آواز گونج رہی تھی۔ اچانک عمران کے ذہن میں ایک خیال نے جنم لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے طاہرہ کی طرف بڑھ گیا۔

بچّوں کو یکایک اپنے سامنے سے ہٹا کر وہ اچانک طاہرہ پر جُھک گیا۔ اُس کے جُھکتے ہی طاہرہ گاتے گاتے رُک گئی۔ غالباً عمران کی اس حرکت نے اُسے خوفزدہ کر دیا تھا۔ بچّے بھی خاموش ہو کر عمران کو گھورنے لگے۔ شاید انھیں اُس کی مداخلت سخت ناگوار گزری تھی۔

عمران کچھ دیر تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طاہرہ کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "دیکھو لڑکی، تمھیں اِن بچّوں کو نہیں چھونا چاہیے تھا۔" عمران نے یہ جُملہ اتنی بلند آواز میں کہا تھا کہ ہر کوئی اُس کی طرف متوجّہ ہو گیا۔

کئی مَردوں کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"کیا مطلب؟" طاہرہ زخمی شیرنی کی طرح غرّا کر اُٹھی اور عمران کو گھورنے لگی۔ اُن کے درمیان عبرانی میں ہی گفتگو ہو رہی تھی۔ "تم۔ تم بے سُرے گدھے، تمھیں کیا؟" عمران

ہے، اگر بچوں کا دل بہلا دیا جائے؟"

عمران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

طاہرہ اُس پر بُری طرح برس رہی تھی۔

"دیکھو لڑکی۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ ڈاکٹر فرینچز۔"

"تو کیا لوری بچّوں کی صحت کے لیے مُضر ہے ڈاکٹر؟ یا پھر مَیں بھی تمہاری طرح بے سُری آواز میں گانے لگوں؟"

"تم غلط سمجھیں۔ تم لوری ضرور سُناؤ لیکن بچّوں کو اپنے سے دُور رکھو۔"

"مَیں پوچھتی ہُوں تمھیں تکلیف کیا ہے؟"

"مجھے نہیں۔ تمھیں عارضہ ہے، اچھی لڑکی۔" عمران پُروقار لہجے میں بولا۔ "یہ تو اچھا ہُوا کہ مجھے بھی عام آدمیوں کے ساتھ رکھا گیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے، تمہارا ڈاکٹر؟ تم کیوں اِس اچھی عورت کو پریشان کر رہے ہو؟" اچانک ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ یہ اچھی لڑکی بیمار ہے۔" عمران نے یہ کہہ کر طاہرہ کی کلائی پکڑ لی اور اُس کی نبض ٹٹولنے لگا پھر وہ سیدھا ہوتے ہُوئے بولا۔ "اِس کے چہرے پر چھوت کی بیماری کے آثار صاف ظاہر ہیں۔ یہ موذی بیماری شمالی علاقے کا ایک خاص تحفہ ہے۔"

"مَیں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" وہ شخص اُلجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اِسے چیچک ہے۔ سمجھے!"

"تم بکتے ہو۔" طاہرہ غرّا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "مَیں بالکل تندرست ہوں۔ تم شاید جانوروں کے ڈاکٹر ہو۔"

بچّوں کے والدین کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا۔ اُنھوں نے جھپٹ کر اپنے بچّوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے طاہرہ اور عمران تنہا رہ گئے۔ مَرد اور عورتیں بھی اُن سے دُور، کونوں کھدروں میں جا بیٹھے۔ طاہرہ کا دل بھر آیا۔ وہ زار و قطار رونے لگی۔ عمران اُسے تسلی دینے لگا تو وہ ایک دم بھڑک اٹھی اور رُندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "تم کتنے جھوٹے اور مکار آدمی ہو آخر تمھیں یہ سب کر کے کیا مل گیا ہے؟"

"مجھے تم مل گئی ہو، اچھی لڑکی۔" عمران نے گلوگیر ہو کر کہا۔

طاہرہ نے ایک دم خاموش ہو کر عمران کو گھورنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد وہ غرّا کر بولی۔ "مَیں تم پر تھوکتی بھی نہیں!"

"ذرّہ نوازی ہے تمہاری ورنہ میں کس قابل ہوں۔" عمران کے لہجے میں انکسار تھا... پھر وہ طاہرہ کو یُوں دیکھنے لگا جیسے اُس نے اُس پر نہ تھوک کر بہت احسان کیا ہو۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو پاگل ڈاکٹر؟" طاہرہ اُلجھ کر بولی۔

"مَیں یہ فرمانا چاہتا ہُوں کہ میں طاہر کا خالو جان ہوں۔"

"کیا مطلب!" طاہرہ کے حلق سے بے ساختہ نکلا اور پھر وہ یوں بن گئی جیسے طاہر کے نام سے کبھی واقف نہ رہی ہو۔

"کسی غلط فہمی میں مت پڑو۔ مَیں جانتا ہوں تمہارا نام طاہرہ ہے۔" عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر دھیرے سے عربی میں بولا۔

"تم کون ہو؟" طاہرہ نے سرگوشی کی لیکن یہ سرگوشی بھی عبرانی ہی میں تھی۔

"مَیں تمھیں مریض ثابت کر رہا تھا صرف اِسی لیے کہ تنہائی میں کچھ باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔" عمران نے اُس کی سرگوشی کی طرف دھیان دیے بغیر عربی میں کہا۔

"لیکن تم ہو کون؟" طاہرہ اُسے مشکوک نگاہوں سے گھورنے لگی۔

"سُنو وقت نہیں ہے۔" عمران نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "مَیں یہاں اجنبی ہوں۔ ہماری خدمات مصری سیکرٹ سروس کے چیف مسٹر شامی نے حاصل کی ہیں۔ مَیں طاہر کو لینے آیا ہُوں۔"

طاہرہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی۔ اچانک عمران نے محسوس کیا کہ لوگ اُن کی طرف متوجّہ ہیں۔ اُس نے جلدی سے اپنا چھوٹا سا میڈیکل پریس کوٹ کی جیب سے نکال لیا پھر تھرمامیٹر نکال کر اُس نے طاہرہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "اِسے مُنہ میں رکھ لو اور خاموشی سے میری باتیں سُنتی رہو۔"

طاہرہ ہچکچائی تو عمران نے جیب سے ایک چھوٹا سا کارڈ نکال کر اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ طاہرہ نے کارڈ دیکھا تو... اُس کے مُنہ سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ ایسا کارڈ اُس کی جماعت کے ممبروں کے سوا اور کس کے پاس ہو سکتا تھا؟ وہ اِس کارڈ کو خوب پہچانتی تھی۔ اُس

کے ذہن سے عمران کے بارے میں پیدا ہونے والے تمام شکوک رفع ہو گئے اور اُس نے خاموشی سے مُنہ کھول دیا۔ عمران نے تھرمامیٹر اُس کے مُنہ میں رکھ دیا۔ اُس نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اب کوئی اُن کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ "طاہر کہاں ہے؟" طاہرہ نے تھرمامیٹر مُنہ میں دبائے ہوئے پوچھا۔

"اُسے شیڈ سے، مَیں نے ہی رہا کرایا تھا اور اب وہ اُس چوکی سے دُور کسی محفوظ جگہ پہنچ گیا ہوگا۔"

"اوہ... لیمپ پر فائر کس نے کیا تھا؟"

"مَیں نے... اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔"

طاہرہ نے تھرمامیٹر مُنہ سے نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیا۔ "لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ طاہر یہاں ہے؟"

"تمھاری جماعت کے ہیڈ کوارٹر سے نشر ہونے والے ریڈیائی پیغام سے..."

"کیا طاہر کوئی اہم شخصیت ہے؟"

"مَیں نے بتایا نا کہ مَیں اُس کا خالو ہوں۔"

طاہرہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی تھی۔ "غالباً یہ دنیا میں پہلی مثال ہوگی کہ کوئی خالو اس طرح اپنے بھانجے کی تلاش میں مصائب جھیلنے نکل کھڑا ہوا ہو۔"

"نہیں، اِس سے قبل مَیں اپنے پوتے کے لیے بھی ایسا کر چکا ہوں۔"

"آپ کا پوتا بھی ہے؟" طاہرہ نے حیرت سے عمران کا جائزہ لیا۔ شاید اِس لیے کہ اُس نے اتنا نوعمر دادا جان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"ہاں ہے۔ اتنے لمبے لمبے سگار پیتا ہے۔" عمران نے یہ کہہ کر بازو پھیلا دیا۔

طاہرہ مُنہ چھپا کر ہنسنے لگی۔

"اس کے علاوہ ایک اور چیز کی تلاش بھی مجھے یہاں لائی ہے۔"

"وہ کیا چیز ہے؟" طاہرہ سنجیدہ ہو گئی۔

"تمھاری کسی جیب میں ہو گی۔" عمران شریر لہجے میں بولا۔

"میری جیب میں..." طاہرہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگی۔

"ہاں... ایک چھوٹا سا آہنی کچھوا۔"

"آہنی کچھوا..." طاہرہ کے مُنہ سے بے ساختہ نکلا... پھر اس کی آنکھیں سوچ کی گہرائیوں میں ڈوب گئیں۔

"کہاں ہے وہ کچھوا؟" عمران نے بے قراری سے پوچھا۔

"وہ تو میں اپنی خفیہ قیام گاہ میں کہیں ڈال آئی تھی۔ ممکن ہے شیڈ میں ہی کہیں بھول گئی ہوں۔"

طاہرہ کے جواب سے عمران کی حالت غیر ہو گئی اور وہ یوں مُنہ لٹکا کر کھڑا ہو گیا جیسے کہیں سے ایک آدھ درجن جوتے کھا کر آیا ہو۔

صفدر کا ذہن تیزی سے پلٹنے والے حالات کی وجہ سے ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مقررہ جگہ پر عمران اُس کا انتظار کرتے کرتے بیزار ہو چکا ہو گا۔ ظاہر ہے، پیراشوٹ سے کُودنے کے بعد انھیں ایک خاص جگہ اکٹھے ہونا تھا۔ گاڑی ناہموار سڑک پر لنگڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ عمران سے ملاقات نہ ہونے کا مطلب تھا کہ سارا پروگرام ہی الٹ پلٹ ہو جائے گا اور اس پروگرام کے ختم ہو جانے کا مطلب تھا... مشن کی ناکامی... اور پھر وہ آہنی کچھوا... اس طرح کے حالات میں اُلجھ کر وہ کچھوا تو کیا ایک مینڈک بھی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ پانسا ہی اُلٹا پڑ گیا تھا۔

گاڑی کی رفتار اب مزید ہلکی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ بالکل ہی رُک جاتی۔ تبھی سے صفدر نے سمجھ لیا کہ وہ قلعے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یکایک گاڑی رُک گئی، پھر کسی کی سخت اور غراتی ہوئی آواز سُنائی دی۔ شاید کوئی گارڈ ڈرائیور سے سوالات کر رہا تھا۔ پھر کاغذات کی سرسراہٹ سُنائی دی۔

کاغذات کی چیکنگ کے بعد گاڑی کا وہ حصّہ کھولا گیا جہاں صفدر کو بٹھایا گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والے نے گھور کر صفدر کو دیکھا۔ پھر ایک جھٹکے سے دروازہ بند ہو گیا۔ صفدر کے قریب بیٹھے ہوئے فوجی نے دھڑ سے دروازہ بند کرنے والے کی اس بداخلاقی پر اپنے اخلاق کا مظاہرہ کیا... اگلے ہی لمحے بھاری بھرکم پھاٹک کُھلنے کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔

عقب میں پھاٹک بند ہونے کی آواز سُنائی دی پھر گاڑی ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ عقبی حصّہ کھولا گیا اور صفدر کو نیچے اُتار لیا گیا۔

صفدر کو ایک آہنی دروازہ کھول کر اندر پہنچا دیا گیا۔

اب وہ دو فوجیوں کی نگرانی میں، قلعے کے جیل خانے میں تھا۔

قلعہ اگرچہ بہت پرانا تھا لیکن یہودی حکومت نے اُسے ازسرنو مرمت کر کے ایک بہت عمدہ فوجی مرکز بنا دیا تھا۔ ۔ ۔ اُس عمارت کے چاروں طرف خاردار تاریں لگی ہوئی تھیں، جن میں چوبیس گھنٹے، مہلک کرنٹ دوڑتا رہتا تھا۔ سیاسی اور جاسوسی کے الزام میں پکڑے جانے والے لوگوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ اور یہاں اُن سے بازپرس کے سلسلے میں، جدید ترین، ایذا دینے والے طریقے بروئے کار لائے جاتے تھے۔

کئی کمروں سے گزرنے کے بعد صفدر کو ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اُسے وہاں چھوڑ کر ایک فوجی بغلی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور پھر اُس کی واپسی بیس منٹ سے پہلے نہیں ہوئی۔ اس کے آنے کے بعد ایک منحنی سا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ نہ جانے غصے سے یا مے خوری کی وجہ سے . . . وہ دیوانوں کی طرح فرش پر پاؤں مارتا ہوا صفدر کی طرف بڑھا۔ "تم کتے کے پلّے۔ تم سمجھتے تھے کہ یہاں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" یہودی چیف دھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔

صفدر کے دیوتا کوچ کر گئے۔ وہ عبرانی زبان میں چیخنے لگا۔ "آخر مجھے کیا سمجھ رکھا ہے، آپ لوگوں نے . . . جیسے دیکھو گالیاں دیے چلا جا رہا ہے۔ ایک بار گولی ہی کیوں نہیں مار دیتے، تم لوگ۔"

"کیا . . کیا تم . . . تم کون ہو؟" چیف آفیسر اس کے سامنے آ کر رک گیا۔

"میں یہودی ہوں، لہٰذا اس جرم میں مجھے پھانسی پر چڑھا دو۔ مجھے گولی مار دو۔"

"میں پوچھتا ہوں، تم کون ہو اور تمھیں یہاں کون لایا ہے؟"

صفدر نے دونوں فوجیوں کی طرف دیکھا۔

"کرنل صاحب نے بھیجا ہے۔" ایک فوجی نے اٹینشن ہو کر کہا۔

"کیوں بھیجا ہے؟" چیف غرّایا۔

"یہ مشکوک آدمی ہے، جناب۔"

"اوہ . . . اُسے کس نے کرنل بنا دیا۔ کیوں اُلّو کے پٹھے، کیا میں اس ذلیل شخص کو بھی نہیں پہچان سکوں گا، جسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔"

فوجی سر جھکائے کھڑے رہے۔

"میں کہتا ہوں تم لوگوں کے مُنہ میں کیا کسی نے کیلیں ٹھونک دی ہیں؟"

"آپ درست کہتے ہیں، جناب۔ کرنل صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اس کرنل سے کہہ دینا . . . کیا یہ وہی کرنل بوڑھا سا ہے جو . . ."

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" ایک فوجی جلدی سے بول اُٹھا۔

"اسے جا کر کہہ دینا کہ اگر اس کی بینائی کمزور ہو گئی ہے تو اپنی بوڑھی بیوی کے پاس واپس چلا جائے۔ سمجھے؟"

"بجا فرمایا آپ نے، جناب۔" سپاہیوں کو پسینے آنے لگے۔

"اور تم . . . تم ایسا لباس پہن کر کیوں پھرتے ہو؟" اس بار چیف صفدر پر ہی اُلٹ پڑا۔

"ج۔ جی آئندہ لباس پہن کر نہیں گھوموں گا۔" صفدر نے بوکھلا کر جواب دیا۔

جواباً چیف کی غراہٹ سُنائی دی۔ "اوہ تو کیا غیر ملبوس گھوما کرو گے۔ قوم کے نام پر بٹہ لگاؤ گے۔ اِسے چار گھونسے مارو۔ ذلیل کہیں کا۔"

پاس کھڑے ہوئے دونوں فوجی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ "اے منہ کیا دیکھتے ہو۔" چیف حلق کے بل دھاڑا۔

فوجیوں کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہ آیا تو غصے میں دیوانہ چیف جھلا کر صفدر کی طرف مڑا۔ "تم اِن دونوں کے چار چار گھونسے مارو۔ چلو۔"

"میں اپنے یہودی بھائیوں پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا جناب۔"

"تو پھر تم سب لوگ . . . اپنی ماؤں کے پاس چلے جاؤ۔ ورنہ مجھے مارو، مارو۔ میں سب کو گولی سے اُڑا دوں گا۔ ایک مرد اور ایک عورت نہیں تلاش کر سکے ابھی تک . . ." یہودی چیف بال نوچتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

فوجیوں نے ایک طویل سانس لے کر صفدر کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک مسکرا کر خفت مٹانے لگا۔ "دماغ خراب ہو گیا ہے، سالے کا . . . بالکل پاگل ہو رہا ہے۔ داخل کروا دینا چاہیے اب اسے . . ."

دوسرا خوفزدہ نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھنے

لگا "آہستہ یار، سُن لیا تو مصیبت آجائے گی۔ جدید ترین گالیاں دینے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔"

"اب اس کا کیا کریں؟" فوجی نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"معلوم کرکے آؤ۔" دوسرے نے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"نہیں۔ میں تو اب اس کا سامنا بھی نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ۔"

"اچھا..." وہ فوجی ٹھنڈی آہ بھر کے اُس کمرے میں چلا گیا، جس میں یہودی چیف گیا تھا۔

ابھی اس کو گئے ہوئے ایک منٹ بھی نہیں ہُوا تھا کہ نہ جانے کیا ہُوا، وہ سرپٹ دوڑتا ہوا واپس آگیا اور پیٹ سے فرش پر گر گیا۔ اُس کے عقب میں یہودی آفیسر تھا۔ وہ غصّے سے خود کو نوچ رہا تھا اور ساتھ ساتھ اپنا سینہ بھی پیٹنے لگا تھا۔ اس کے بعد اس نے کئی گھونسے دونوں فوجیوں کو مارے۔

"میں کیا بتاؤں، مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ گولی مار دو اس گدھے کے بچے کو... تم یہاں آئے ہی کیوں تھے؟" وہ غرّا کر صفدر کی طرف پلٹا۔

صفدر ہونقوں کی طرح اُس کی صورت دیکھنے لگا۔ اب بھلا وہ کیا جواب دیتا۔ وہ کوئی اپنی مرضی سے تو آیا نہیں تھا۔

"جواب دو، جب تم وہ آدمی نہیں ہو، جس کی مجھے تلاش ہے تو تم یہاں کیوں چلے آئے؟ بھاگ کیوں نہیں گئے؟"

"یہ بھی تو ایک جرم ہوتا جناب۔ پھر مجھے تو اسی بوڑھے کرنل نے بھیجا ہے۔ مجھے بھلا کیا پڑی تھی کہ یہاں آتا۔"

"اس بوڑھے کرنل کی ایسی تیسی۔" یہودی چیف نے غرّا کر کہا۔ اُس کی باچھوں سے جھاگ نکلنے لگے تھے۔ "لے جاؤ اسے، لے جاؤ، جہاں جی چاہے۔ بس، میری نگاہوں کے سامنے سے لے جاؤ۔"

... اور پھر فوجیوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ صفدر کو لے کر وہاں سے کھسک ہی لیں ورنہ یہودی چیف کی جھلاہٹ کا نقطۂ عروج نہ جانے کیا کیا گل کھلاتا۔ فوجی اُسے لے کر ایک کمرے میں آگئے۔ یہاں ٹیلی فون رکھا ہُوا تھا۔ فوجیوں میں سے ایک کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ سلسلہ ملتے ہی وہ کسی سے بات کرنے لگا۔

صفدر نے اندازہ لگایا کہ دوسری طرف سے بولنے والا بھی اُس فوجی کو مغلظات ہی سُنا رہا تھا۔ ٹیلی فون کرنے والے فوجی کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔ سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اُس نے پوری قوت سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"وہ گدھے کا بچہ... بوڑھا سُور بھی مغلظات سُنا رہا ہے۔"

صفدر کا ہنسی منبط کرتے کرتے بُرا حال ہو گیا۔

دونوں فوجیوں کی جان عذاب میں آگئی تھی۔ صفدر اُن کے لیے کمبل ہو کر رہ گیا تھا... اور اُس کو اب اِس قدر لُطف آ رہا تھا کہ اُس کا جی چاہنے لگا، ہمیشہ یہیں قید رہے۔ ایسے دلچسپ حالات پہلے کبھی پیش نہیں آئے تھے... اور پھر اُس کے ذہن میں وہ شخص گھوم گیا جس کی تلاش میں پورا محکمہ ایک دوسرے کا دشمن ہو رہا تھا۔ اچانک ہی صفدر کے ذہن میں عمران گھوم گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں عمران کو شناخت تو نہیں کر لیا گیا، ممکن ہے، وہ گرفتار ہونے کے بعد فرار ہو گیا ہو اور اب پورا محکمہ اُس کی تلاش میں پاگل ہو رہا ہو۔ ظاہر ہے، عمران جیسا آدمی ہی فرار ہو کر کسی محکمے کو یوں اُلٹ پلٹ سکتا ہے۔

دونوں فوجیوں نے بے چارگی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے آپ مجھے قلعے سے باہر نکال دیں۔" صفدر نے مشورہ دیا۔

"نہیں برادر۔ تم اُس بوڑھے سُور کو نہیں جانتے۔ وہ آتا ہی ہو گا۔ اگر اُس نے کسی بہانے پھر تمہاری ضرورت محسوس کر لی تو...؟"

"تو کیا ہو گا؟ تم کہہ سکتے ہو کہ افسرِ اعلیٰ کے حکم سے رہا کر دیا۔"

"معاف کرنا دوست۔ اب میری بوڑھی والدہ میں اتنی سکت نہیں کہ ہر آفیسر دن میں کئی بار اُن کی شان میں گستاخیاں کرے۔" یہ کہہ کر فوجی نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور بے بسی سے ہنس پڑا۔

صفدر، فوجیوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا جہاں ایک شخص نِندا سی آنکھوں سے، ایک رجسٹر پر جھکا ہُوا تھا۔ صفدر کو سپاہیوں کے ساتھ دیکھ کر اُس نے انگڑائی لی اور صفدر کو گھورنے لگا۔ "تم بھی اُن شیڈ والے لوگوں کے ساتھ شامل تھے؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں جناب۔ میں تو شامل ہونے کے لیے پریشان

ہو گیا ہوں۔ جلدی سے مجھے کہیں بھی کسی کے ساتھ شامل کر دیں۔" صفدر نے مسکرا کر کہا۔

"ہیں ہیں۔ . . . یہ کیا کہتا ہے جی ؟" فوجی نے دونوں سپاہیوں سے پوچھا جنھوں نے صفدر کے بارے میں مختصراً حالات اُسے گوش گزار کر دیے۔

"دیکھو میں تمھیں شیڈ میں بھیج رہا ہوں۔ خیال سے رہنا۔ اگر کوئی گڑبڑ کی تو بہت جوتے ماروں گا۔"

صفدر نے جواباً دانت نکالنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اُسے نئے فوجی کے حوالے کر کے دونوں فوجیوں نے بھاگنا مناسب سمجھا کہ کہیں صفدر کو دوبارہ اُن کے چارج میں نہ دے دیا جائے۔

"نکالو کاغذات۔" فوجی نے کاغذات کے لیے اشارہ کیا۔ صفدر نے اپنے کاغذات نکال کر میز پر ڈال دیے اور فوجی انھیں پڑھتا ہوا رجسٹر پر جھک گیا۔

*

عمران کو اس طرح سکتے کے عالم میں کھڑا دیکھ کر طاہرہ کو شدت سے آہنی کچھوے کی اہمیت کا احساس ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ اُسے کھو چکی تھی۔

اچانک عمران زور زور سے چلانے لگا۔ "سنتری، او سنتری، سنتری۔"

عمران کے اس طرح چلانے سے طاہرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ سب سے پہلا خیال جس نے اُس کے ذہن میں جنم لیا، یہ تھا کہ عمران اُسے گرفتار کرانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ تو ہماری جماعت کا آدمی ہے۔ فوراً ہی دوسرا خیال اُس کے ذہن میں کلبلایا، ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھ جھوٹ ہو۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ کیوں اُس نے اِس قدر جلد ایک اجنبی پر اعتماد کر لیا۔ لیکن اب افسوس کرنا بھی بعد از وقت تھا۔ اُدھر عمران حلق پھاڑ پھاڑ کر سپاہیوں کو پکارنے میں مصروف تھا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے کئی آدمی اُٹھ کر عمران کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ طاہرہ کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

اچانک دروازہ بڑے شور سے کھلا اور تین مسلح سپاہی دروازے میں آ کھڑے ہوئے اور بُری طرح عمران کو گھورنے لگے۔ "کیا تمھارے مُنھ میں کارک ٹھونس دیا جائے ؟" ایک غرّایا۔

"نہیں بھائی۔ بات یہ ہے کہ میں ڈاکٹر ہوں اور . . ."

"شور مچانے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔" فوجی نے اُس کا جملہ اچک لیا۔ "اگر ہم یہاں دس بیس ڈاکٹروں کو لا کر بند کر دیں تو وہ چلا چلا کر ہمارے کانوں کے پردے ہی پھاڑ دیں گے۔"

"تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیا تم نے میرے کاغذات نہیں دیکھے تھے ؟"

"لیکن اُن میں کہاں لکھا ہے کہ تمھیں سحر کے وقت شور مچانے کی اجازت دی جائے ؟" فوجی غرّایا۔

"میرا خیال ہے، تم پہلے سنجیدگی سے میری بات سُن لو۔" عمران اُس وقت تک بڑے ہی تحمّل اور پُروقار انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

"سناؤ۔ جلدی سناؤ۔"

"یہ عورت بیمار ہے۔"

"کیا یہ تمھاری کسی حرکت سے بیمار ہوئی ہے ؟"

"نہیں . . . بلکہ میری حرکت کی وجہ سے تم سب چیچک سے محفوظ رہ گئے ہو۔"

"چیچک . . ." سب فوجی پیچھے ہٹ گئے۔ "کیا اسے چیچک کی بیماری ہے ؟"

"ہاں . . . اب اگر تمھاری بیویاں تمھارے چیچک زدہ چہرے پسند کر سکتی ہیں تو خیر، ورنہ اسے یہاں سے نکال کر میدان میں ڈال دو۔"

"اِس قدر سردی میں یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"کیا تمھیں چیچک کے ٹیکے لگے ہوئے ہیں ؟" عمران نے بڑی ہی پُراسرار آواز میں دریافت کیا۔

"کیوں۔ کیا یہ ضروری ہوتے ہیں ؟"

"بحیثیت ایک ڈاکٹر کے مجھے اب پورے قلعے کو ہسپتال میں بُلانا پڑے گا۔"

تینوں فوجی سہمے ہوئے انداز میں مُڑے اور ایڑیاں مارتے ہوئے واپس چلے گئے۔ کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ جو لوگ اُن کے قریب آ گئے تھے، وہ کھسک کر دوبارہ دُور چلے گئے۔ عمران نے موقع دیکھ کر طاہرہ کو سمجھایا کہ اُسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور اُسے چاہیے کہ چہرے پر بیماروں جیسے تاثرات پیدا کر لے۔

طاہرہ کے ذہن سے ایک بار پھر تمام شکوک دُھل گئے اور وہ حیرت سے اُس پُراسرار ڈاکٹر کو گھورنے لگی جو

پل پل میں رنگ بدل رہا تھا۔ کہاں تو وہ کسی احمق کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر لوری گا رہا تھا اور کہاں اُس نے فوراً ہی حالات کا نقشہ بدل کر رکھ دیا تھا۔ اُس نے اپنے چہرے پر نقاہت اور بیماری کے تاثرات پیدا کر لیے۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور فوجیوں کی شکلیں دوبارہ دکھائی دیں۔ اِس بار اُن کے ساتھ ایک جواں سال آفیسر بھی تھا۔ وہ دہلیز پر ہی رُک گیا اور عمران سے بولا۔ "ڈاکٹر۔ تمھیں حکم دیا جاتا ہے کہ اِس عورت کو لے کر باہر نکل آؤ۔"

عمران نے بڑی بے نیازی سے طاہرہ کو اُٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ آفیسر اس سے کافی فاصلے پر تینوں فوجیوں کے ہمراہ چل رہا تھا۔

کمرے سے کچھ دُور ایک میدانی جگہ آفیسر نے عمران کو حکم دیا۔ "اِسے یہیں ڈال دو ڈاکٹر۔ ایمبولینس آ کر لے جائے گی۔" آفیسر یہ حکم دے کر چلا گیا جبکہ سپاہی کافی فاصلے پر کھڑے رہے۔

عمران نے طاہرہ کو زمین پر لٹا دیا اور اُس کے کان میں دھیرے سے بولا۔ "کیوں لے خوبصورت مُونث مانتی ہو نا طاہر کا خالو؟"

"آپ باکمال آدمی ہیں۔" طاہرہ کے لہجے میں عمران کے لیے بے انتہا احترام تھا۔

"دیکھتی رہو۔ ابھی تو اُن سب کے ٹیکے لگواؤں گا۔ یہ بھی کیا یاد رکھیں گے۔"

طاہرہ کے حلق سے ایک بے ساختہ قہقہہ نکلا جسے اُس نے بڑی صفائی سے دبانے کی کوشش کی۔

اچانک دُور راہداری میں ایک منحنی سا آدمی دکھائی دیا۔ پہلی نظر میں وہ کوئی دیوانہ ہی نظر آتا تھا۔ عمران نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی یہودی آفیسر ہے جس نے بلیک زیرو کو شناخت کیا تھا۔ وہ بکتا جھکتا اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں چلاتا چلا آ رہا تھا۔ تینوں فوجی چوکس ہو کر کھڑے ہو گئے۔ عمران نے طاہرہ کے جسم پر اُس کا ڈھیلا ڈھالا سا کوٹ ڈال دیا۔ خفیہ کے چیف کے پیچھے کئی دوسرے آفیسر بھی چلے آ رہے تھے۔ یہودی چیف کا چہرہ اُس وقت بھی غصّے سے سرخ تھا۔ وہ اُن کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور زمین پر کسی گھوڑے کی طرح پاؤں مار کر بولا۔ "مجھے اِس سے غرض نہیں کہ یہ عورت مر رہی ہے۔ مجھے شیڈ سے آئے ہوئے لوگوں میں سے وہ ذلیل شخص چاہیے جسے انھوں نے غائب کر دیا ہے۔"

عمران کھڑا ہو گیا۔

"اُسے تلاش کیا جا رہا ہے، جناب!" ایک آفیسر بولا۔

"وہ کب ملے گا؟ وہ... مَیں کہتا ہوں اُن لوگوں کی کھال اُدھیڑ دو، یا اتنی عورتیں ہیں، اُن سے کہو اُسے دوبارہ جنم دیں۔" آفیسر غصّے میں اول فول بکنے لگا۔

"آپ کی تفتیش اپنی جگہ بجا ہے جناب۔ اگر آپ ایسا نہ کریں تو ملک و ملت کی سالمیت برقرار نہیں رہ سکتی۔" عمران نے سنجیدگی سے مکھن لگایا۔

آفیسر کے تیور قدرے ڈھیلے پڑ گئے لیکن غصّہ پھر بھی باقی رہا۔ "مَیں اُس کتّے کو تلاش کر کے رہوں گا اور اِس عورت کو کتّوں سے نچوا دوں گا جو اُسے پناہ دیے ہوئے تھی۔ اے ٹھہرو۔ اِس عورت کے منہ سے کپڑا تو ہٹاؤ۔ مجھے یہ وہی عورت دکھائی دیتی ہے۔" یہودی چیف یہ کہہ کر طاہرہ کی طرف بڑھا۔

عمران کے جسم سے سخت سردی کے باوجود پسینہ بہنے لگا۔ اُس نے دیکھا طاہرہ کا جسم بھی اکڑ گیا ہے۔ چیف آفیسر نے طاہرہ کے چہرے سے کوٹ کھینچ لیا۔ کوٹ کھینچنے سے طاہرہ کے کھلے بال اُس کے چہرے پر بکھر گئے۔ اُس کا خوف سے زرد چہرہ اُسے مدّتوں سے بیمار ظاہر کر رہا تھا۔ "اے عورت۔ تیرے کاغذات کہاں ہیں؟"

طاہرہ نے کراہتے ہوئے کاغذات نکال کر آفیسر کی طرف بڑھا دیے۔ چیف نے دستانہ پوش ہاتھ سے کاغذات پکڑ لیے اور کھول کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ چیخ کر بولا۔ "تیرا شوہر کہاں ہے؟"

طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

چیف نے اُسے ایک زوردار ٹھوکر ماری اور غصّے سے چلّایا۔ "مَیں پوچھتا ہوں، تیرا خصم کہاں ہے؟ کہیں وہ وہی تو نہیں جس کی مجھے تلاش ہے؟"

معاملہ اب حد سے بڑھتا جا رہا تھا۔

خود عمران کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔ نہ جانے غریب طاہرہ کا کیا حال ہو گا۔

"وہ مجھ سے بچھڑ گیا۔ شاید پچھلی چوکی پر رہ گیا ہے۔" طاہرہ نے اٹک اٹک کر کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اور نہیں تو کیا وہ تمھاری چیچک گلے لگا لیتا۔ ہُنہ۔"

آفیسر یہ کہہ کر بھڑک اُٹھا اور بکتا ہُوا طاہرہ کی طرف بڑھا۔
"دکھا اپنا چہرہ۔ شاید تُو وہی عورت ہے۔"

عمران جلدی سے کھنکارتا ہُوا آگے بڑھا۔ "ذرا احتیاط سے جناب۔ مجرم تو دیر سویر سے ملتے ہی رہتے ہیں۔ ملک کو آپ کی شدید ضرورت ہے۔"

یہودی چیف آفیسر ایک جھٹکے سے واپس مُڑ گیا۔

عمران نے مزید کہا۔ "اِس کا شوہر کمرے ہی میں ہوگا۔ شاید وہ اِس کی بیماری کے باعث سامنے آنے سے کترا رہا ہے۔"

"اوہ اُسے لاؤ۔" چیف کتّے کی طرح غرّا کر پاؤں پٹخنے لگا۔

عمران نے موقع غنیمت جانا اور وہ "مرجان۔ او مرجان۔" کی آوازیں لگانے لگا۔ "یہاں آؤ مرجان۔"

آفیسر مُڑ کر کمرے کی جانب دیکھنے لگا کہ جواباً کوئی شخص آرہا ہے یا نہیں۔ اُسی لمحے عمران نے نظر بچا کر طاہرہ کو اشارہ کیا کہ بے ہوش بن جاؤ تاکہ مزید سوالات کی نوبت ہی نہ آئے۔ کچھ دیر بعد عمران نے پھر آواز لگائی۔

"مرجان۔"

اور پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس نے جواباً کسی کو کہتے سُنا۔

"مرجان کو کون بُلاتا ہے؟ مَیں یہاں ہُوں۔"

چیف آفیسر اور عمران حیرت سے اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ خار دار تاروں کے پاس سے ایک فوجی آفیسر کے ساتھ ایک ڈھیلے ڈھالے کپڑوں والا کوئی شخص چلا آرہا ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو عمران کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ اُس نے صفدر کو پہچان لیا تھا۔ اُسے قریب آتے دیکھ کر عمران جلدی سے آگے بڑھا اور چیخ کر بولا۔ "تم کیسے بے درد شوہر ہو جو بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگئے تھے۔"

"تم۔ تم مرجان ہو۔ اِس چیچک زدہ عورت کے شوہر؟" چیف آفیسر غرّا کر صفدر سے پُوچھنے لگا۔

صفدر نے جواباً زور زور سے سر ہلا دیا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے مجھے پچھلی چوکی سے اُس بوڑھے کرنل نے یہاں بھیجا ہے۔"

"اوہ تم وہی ہو جسے اُس بوڑھے نے بھیجا ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔"

"اوہ۔ اُس بوڑھے کرنل کی موت آگئی ہے مَیں اُسے گولی مار دوں گا۔ مَیں تم سب کو گولی مار دوں گا۔ آخر وہ کتّا کہاں غائب ہوگیا؟"

سب خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔

اچانک یہودی چیف بھوکے بھیڑیے کی طرح پاس کھڑے ہوئے آفیسروں پر پل پڑا۔ "تم لوگ میرا مُنہ کیا دیکھ رہے ہو۔ دفان ہو جاؤ، جاؤ اُسے تلاش کرو۔ کمرے میں بند ایک ایک آدمی کی کھال اُتار دو۔"

سب آفیسر پلک جھپکتے ہی تتر بتر ہوگئے۔

ادھر طاہرہ نے آنکھوں میں جھری پیدا کر کے اپنے نام نہاد خاوند کی طرف دیکھا تو حیرت سے اُس کی حالت بگڑ گئی۔ اُس کے سامنے ایک نیا چہرہ تھا جسے وہ جانتی تک نہ تھی۔ اُدھر عمران کے اشارے پر صفدر اُس کے قریب آکر بیٹھ گیا اور اُسے اُونچی آواز میں تسلی دینے لگا۔

خفیہ کا چیف آفیسر سے کہہ رہا تھا۔ "اِن کو یہاں سے لے جاؤ۔ اور قلعے کے تمام آدمی صبح چیچک کے ٹیکے لگوائیں۔ جاؤ۔ اسپتال فون کرو کہ انھیں لے جائیں۔" وہ بکتا ہُوا واپس چلا گیا اور اُن تینوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

صبح ہونے والی تھی۔

ستاروں کی چمک ماند ہوتے ہوتے سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا۔

ایمبولینس کے انتظار میں ایک ایک لمحہ گھنٹہ بھر کا محسوس ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے اسپتال سے گاڑی آئی تو مرکزی آہنی دروازہ کھُل گیا۔ عمران نے طاہرہ کو اچھی طرح سے ڈھانپ دیا تھا۔ صفدر خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ ایمبولینس آئی اور ان کے قریب ہی رُک گئی۔ گاڑی کے عقبی حصّے سے ایک یہودی ڈاکٹر اور دو نرسیں اُتریں۔ شاید وہ تینوں رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں مَلتے ہوئے نیچے اُترے اور یہودی ڈاکٹر اُن کی طرف بڑھا۔ عمران نے اپنا تعارف کرایا اور طاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر مَیں یہاں نہ ہوتا تو یہ عورت پورے قلعے کے فوجیوں کو چیچک میں مبتلا کر دیتی۔"

"تھینک یو ڈاکٹر۔ آج کل ویسے بھی اسپتال میں جگہ نہیں ہے اور یہ فوجی تو ایسے کام چور ہیں کہ ہفتوں صحت یاب ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

"ہاں کچھ نظام بگڑا ہُوا ہی ہے لیکن ہم اپنے فرائض

سے کوتاہی نہیں برت سکتے۔"
"یہ پروفیشن ہی ایسا ہے۔" یہودی ڈاکٹر نے یہ کہہ کر نرسوں کو اشارہ کیا جنہوں نے طاہرہ کے اوپر سے کوٹ ہٹایا۔ منہ پر کپڑے کی نقابیں چڑھائیں اور اُسے سہارا دے کر گاڑی کی طرف بڑھ گئیں۔
"آپ کون سے اسپتال سے متعلق ہیں ڈاکٹر؟" عمران سے پوچھا گیا۔
"میرا تعلق محکمۂ صحت سے ہے۔"
"اوہ۔" ڈاکٹر کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی اور وہ احترام کی نگاہوں سے عمران کو دیکھنے لگا۔
"یہ شخص یہاں کیوں کھڑا ہے؟"
"یہ اس عورت کا شوہر ہے۔ یہ بھی ساتھ ہی جائے گا۔"
"لیکن اسے مریضہ کے ساتھ کیسے رکھا جا سکتا ہے؟"
"یہ قلعے کے کمانڈر کا حکم ہے۔ پھر مریضہ کی دیکھ بھال کے لیے کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔" عمران نے کہا۔
ڈاکٹر نے سر ہلا دیا۔
طاہرہ کو ایمبولینس کے پچھلے حصے میں لٹایا جا چکا تھا۔ ایک نرس نے یہ اطلاع دی تو وہ سب گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ ڈاکٹر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عمران بھی اس کے پہلو میں جم گیا۔ صفدر البتہ اُچک کر گاڑی کے عقبی حصے میں سوار ہو گیا اور نرسوں کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ گاڑی دروازے کی طرف بڑھ گئی آہنی پھاٹک کھل گیا اور گاڑی قلعے سے باہر نکل آئی۔
ہر طرف اُجالا پھیل رہا تھا۔ گاڑی اب ایک سنسان سڑک پر چل رہی تھی۔ عمران ڈاکٹر کے پہلو میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اتفاق سے ایمبولینس ڈاکٹر ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اچانک عمران نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹر نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا "یہ کیا ڈاکٹر؟ پچھلے حصے سے یہ کیسی آواز آئی تھی؟"
"نہیں تو۔ میں نے تو کوئی آواز نہیں سُنی۔" یہودی ڈاکٹر حیرت سے بولا۔
"گاڑی روکیے۔ کہیں مریضہ کی حالت زیادہ نہ بگڑ گئی ہو۔"
"ایسے میں ہمیں تیز رفتاری سے اسپتال پہنچنا چاہیے۔"
"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" عمران نے اصرار کیا۔
ڈاکٹر نے قدرے پس و پیش کے بعد گاڑی روک دی مگر گاڑی رُکتے ہی یہودی ڈاکٹر کی کنپٹی پر قیامت

ٹوٹ پڑی۔ اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر عمران کی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ہو کر اسٹیرنگ پر سر ٹیک دیا۔

گاڑی کے رُکتے ہی صفدر نے عمران کا جملہ سُن لیا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر کی کنپٹی پر پڑنے والے گھونسے کی آواز بھی سُنی۔ ایسے میں وہ کیوں پیچھے رہتا۔ وہ دونوں نرسوں کی طرف بڑھا اور سرگوشی کی "ذرا سُنیے۔"

دونوں نرسیں اس کی طرف جُھک گئیں۔

اچانک دونوں کے سر بُری طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ان کی کھوپڑیاں بج اُٹھیں۔ صفدر نے بڑی بے دردی برتی تھی۔ اُس نے جلدی سے گاڑی میں پڑی ہوئی پٹیاں اکٹھی کیں اور دونوں نرسوں کو باندھ دیا۔ کچھ رُوئی اُن کے مُنہ میں حلق تک ٹھونس دی تاکہ ہوش میں آنے کے بعد وہ گویائی کے قدرتی حق کے ناجائز استعمال سے باز رہ سکیں۔ عمران ڈاکٹر کو اُٹھا کر لے آیا تھا اس کے ساتھ بھی نرسوں جیسا ہی سلوک کیا گیا۔

اِس کام سے فارغ ہو کر عمران دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی دوبارہ چل پڑی لیکن اِس مرتبہ اُس کا رُخ بدل گیا تھا۔ طاہرہ اب اطمینان سے بیٹھی صفدر کو دیکھ رہی تھی۔ "طاہر کہاں ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"کون طاہر؟" صفدر نے چونک کر پوچھا۔

"جس کے تم نے کپڑے پہن رکھے ہیں۔"

"اوہ، یہ طاہر صاحب کے کپڑے ہیں؟" صفدر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تو سُنو محترم خاتون! تمھارے اُن طاہر صاحب نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔" طاہرہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔

جواباً صفدر نے بڑی تفصیل سے سارا واقعہ اُسے سُنا دیا۔ طاہرہ ہنسنے لگی اُس کا ساتھ صفدر نے بھی دیا۔ "آپ کا یہ ساتھی بڑا عجیب آدمی ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں، اِن کے کارنامے سُنو گی تو کانوں پر یقین نہیں آئے گا۔"

"میں سب سُن رہا ہوں۔ ہاں۔" فرنٹ سیٹ سے عمران کی آواز سُنائی دی۔ صفدر اور طاہرہ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

***

سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

عمران ایمبولینس کو بھگائے اُسی شیڈ کی طرف جا رہا تھا جہاں سے اُسے آہنی پنجوے کی تلاش کا آغاز کرنا تھا۔ اچانک ایک ویران سی جگہ اُس نے ایمبولینس روک لی عقبی حصّے کی کھڑکی کھولی اور صفدر سے بولا۔ "اِن کو یہاں ڈال دیں۔"

صفدر نے گاڑی سے سر نکال کر اِدھر اُدھر دیکھا، نشیب میں گہرے کھڈ تھے اور وہاں گھنی جھاڑیاں بھی تھیں۔ یہ بے ہوش ڈاکٹر اور نرسوں سے گلو خلاصی کے لیے موزوں ترین جگہ تھی۔ عمران گاڑی سے اُتر آیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ . . . میلوں تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ انھوں نے جلدی سے تینوں بے ہوش ہستیوں کو ایک گہرے کھڈ میں ڈال دیا۔

عمران اور صفدر واپس پہنچے تو طاہرہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اُس نے اپنے قد و قامت کی نرس کے کپڑے پہن لیے تھے۔ سر پہ سفید رومال اِس ماہرانہ انداز میں باندھا تھا کہ وہ کوئی پُرانی اور پُر وقار نرس ہی دکھائی دیتی تھی۔ "یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔ چلو صفدر، تم بھی ڈاکٹر کے کپڑے پہن لو۔"

صفدر نے ڈاکٹر کے کپڑے پہن لیے اور گاڑی دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔

"اب ہم لوگ بڑی حد تک محفوظ ہو گئے ہیں۔" عمران بڑبڑایا۔

"وہ کیسے؟" صفدر نے پوچھا۔

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ایسے مریض کو لینے جا رہے ہیں جس کا رکنا یا روکا جانا انتہائی خطرناک ہے۔" عمران نے جواب دیا۔

صفدر اور طاہرہ نے سر ہلا کر تائید کی۔

اس وقت وہ تینوں فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں طاہرہ تھی۔ دائیں طرف اسٹیرنگ پہ عمران اور اس کے بائیں جانب صفدر بیٹھا ہُوا تھا۔ گاڑی خطرناک حد تک تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔

"مجھے اُمید ہے کئی گھنٹوں بعد قلعے والوں کو اِس ایمبولینس کا خیال آئے گا۔ جب تک اس کی تلاش شروع ہوگی اُس وقت تک ہم فارغ ہو چکے ہوں گے۔"

"ہاں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" عمران بڑبڑایا۔

"آہنی کچھوے کے بارے میں طاہرہ نے کیا بتایا؟"
"اسے یقین ہے کہ آہنی کچھوا اُسی شیڈ میں رہ گیا ہے جہاں اُنھیں رکھا گیا تھا۔"
"اوہ... لیکن وہ تو اب تک دشمنوں کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہوگا۔"
"ہوگا یار۔ مجھے اپنے مینڈکوں کی یاد ستا رہی ہے۔"
"مینڈکوں کی یاد۔" طاہرہ نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔
صفدر نے عمران کے اِس نئے مشغلے کے بارے میں بتایا تو طاہرہ کا مارے ہنسی کے بُرا حال ہوگیا۔ وہ بڑی دلچسپ نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور عمران کا چہرہ مارے شرم کے یوں سُرخ ہونا شروع ہوگیا کہ طاہرہ لڑکی ہوتے ہوئے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ عمران نے نوعمر لڑکیوں کو بھی مات کر دیا تھا۔
اپنے دونوں نڈر اور زندہ دل ساتھیوں کی موجودگی میں طاہرہ کے دل سے ہر قسم کا خوف اور ڈر دُور ہو گیا تھا اور اب وہ بہت کھل کر اُن سے گفتگو کر رہی تھی۔
"جب میں نے قلعے میں 'مرجان مرجان' کی آوازیں سُنیں تو میرے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔" صفدر کہنے لگا۔
"کیوں جناب؟" طاہرہ نے ہنس کر پوچھا۔
"بھئی میں نے کاغذات سے شادی شدہ ہونے کا پتہ لگا لیا تھا لیکن حیران تھا اگر کہیں بیوی سے آمنا سامنا ہوگیا تو بس گئے کام سے۔"
طاہرہ ہنسنے لگی۔
"اور پھر جب میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے مجھے لعن طعن کرنی شروع کر دی ہے تو میں اور بھی خوف زدہ ہوگیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب تم اُٹھ کر شور مچانے لگتی ہو کہ یہ میرا شوہر نہیں ہے، یہ میرا شوہر نہیں ہے۔"
طاہرہ اب بھی ہنسے جا رہی تھی البتہ عمران بہت سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ اُسے سنجیدہ دیکھ کر طاہرہ کو وہ منظر یاد آگیا جب وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر تنہا ہی گا رہا تھا۔ طاہرہ نے ہنستے ہنستے پیٹ پکڑ لیا۔ اچانک اُس کی نگاہ عمران کے چہرے پر پڑی اور وہ بوکھلا کر خاموش ہوگئی۔ اُس نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ کر اُس کے گالوں تک آگئے تھے۔ صفدر اس دوران باہر دیکھ رہا تھا اِس لیے اُسے عمران کی اِس حرکت کی خبر نہ ہوئی۔
عمران کے رونے کا منظر اِس قدر رقت انگیز تھا کہ خود طاہرہ کا دل بھی بھر آیا۔ اُس نے جیب سے اپنا رومال نکال کر عمران کے گالوں سے بہنے والے آنسو جذب کر لیے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا آپ کو میری کسی بات سے دُکھ پہنچا ہے جناب؟"
"ایں۔ کیا؟" عمران نے چونک کر کہا اور پھر اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنے گالوں سے آنسو صاف کرنے لگا۔
"کیا کر رہے ہیں، گاڑی اُلٹ جائے گی۔" صفدر چونک کر اُدھر متوجہ ہوگیا۔
"نہ جانے کیا بات ہے، نرسوں کو دیکھ کر میری آنکھوں میں پانی آجاتا ہے۔"
"کوئی کومپلیکس ہے؟"
"نہیں۔ لیکن مجھے افسوس ضرور ہوتا ہے۔"
"افسوس کی تو کوئی بات نہیں، اِس میں۔"
"ارے واہ۔ منہ میں پانی آئے تو کوئی بات بھی ہے۔ آنکھوں میں پانی آنے سے کیا فائدہ؟"
طاہرہ نے بوکھلا کر صفدر کی طرف دیکھا اور پھر اُس کا چہرہ مارے شرم کے گلابی ہوتا چلا گیا۔ دائیں گال میں ہلکا سا گڑھا بہت ہی خوشنما دکھائی دے رہا تھا۔
"اِن کے چکر میں نہ پڑو۔ دماغ خراب ہو جائے گا۔" صفدر نے طاہرہ کو نصیحت کی۔
"اور اِس کے چکروں میں پڑ جاؤ کہ مینٹل اسپتال کھلا ہوا ہے وہاں۔" عمران نے... منہ بنا کر صفدر کو گھورا۔
"عمران صاحب یہ مت بھولیے کہ یہ میری بیوی ہے اور میرے پاس ثبوت کے طور پر تمام مکمل کاغذات بھی موجود ہیں۔"
"لل... لیکن بھائی تم ایسی متعدی قسم کی بیوی کیا کرو گے؟"
"آپ کیا کریں گے؟"
"میں تو ڈاکٹر ہوں چیچک الگ کر کے ٹھیک ٹھاک کر لوں گا پھر تم میرے اُن سینکڑوں مینڈکوں پر رحم کھاؤ جن کو ماں کی شدید ضرورت ہے۔" یہ کہتے کہتے عمران کی آواز رندھ گئی۔
طاہرہ نے منہ میں رومال ٹھونس رکھا تھا۔ اب کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں تاکہ مزید کوئی جملہ سننے پر

مجبور نہ کر سکے۔
گھوم پھر کر باتوں کا مرکز وہی آہنی کچھوا بن گیا۔
"طاہرہ تمھیں چاہیے کہ احتیاطاً اپنے ہیڈ کوارٹر کا ایڈریس مجھے بتا دو۔"
"خیریت؟" طاہرہ چونک پڑی۔
"ہاں خداوندِ کریم سے نیک مطلوب ہے۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر لقمہ دیا۔
طاہرہ چند لمحوں تک تو پُرخیال نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی پھر اُس نے ہیڈ کوارٹر کا پتہ بڑی تفصیل سے سمجھا دیا۔
"یہ بہت ضروری تھا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔
"جی ہاں۔ حالات کا کچھ پتہ نہیں کہ کب ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔" صفدر نے تائید کی۔
"طاہر کا کچھ پتہ نہیں چلا؟" طاہرہ کے لہجے میں تشویش تھی۔
"یہ طاہر صاحب کون ہیں؟" صفدر نے پوچھا "کیا کوئی ہم وطن ہے، اپنا؟"
"بتا دوں؟" عمران نے پُراسرار لہجے میں کہا۔
"بتائیے نا؟" صفدر نے اصرار کیا۔
"تمھارا چوہا ہے۔ یہاں آ کر نام بدل رکھا ہے۔"
"کیا؟" صفدر سکتے کے عالم میں عمران کی طرف دیکھنے لگا جو اطمینان سے گاڑی ڈرائیو کرنے میں مصروف تھا۔ اُس کے چہرے سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اُس نے اِس قدر اہم انکشاف کیا ہے۔ اُدھر صفدر کا پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔ اُسے وہ منظر یاد آ گیا جب ایکسٹو نے رات کی تاریکی میں اُس پر حملہ کر دیا تھا اور پھر ایکسٹو کے وہ مزے دار ہاتھ بھی یاد آ گئے جنھیں وہ زندگی کے کسی بھی حصّے میں فراموش نہیں کر سکتا تھا۔
طاہرہ اس پُراسرار گفتگو کو سمجھ نہیں سکی تھی اس لیے وہ باری باری دونوں کی صورت دیکھنے میں مصروف تھی۔ وہ حیران تھی کہ ایسا کون سا چوہا ہو سکتا ہے جس کا ذکر سُنتے ہی صفدر پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔ پھر اُسے یاد آ گیا کہ تذکرہ طاہر کا ہو رہا تھا۔ وہی طاہر جو موت و زیست کے چکر میں نیم جاں، اُس کے پاس غار میں کئی راتوں تک زخمی پڑا کراہتا رہا تھا۔ کیا وہ کوئی بہت ہی اہم شخصیت ہے؟ اِس خیال کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں طاہر کا معصوم اور خوشنما چہرہ گھوم گیا۔ پھر اُسے یاد آ گیا کہ وہ کس طرح چار مسلح فوجیوں پر پل پڑا تھا۔ یقیناً یہ کسی معمولی آدمی کا کام نہیں تھا۔ اُس کے جی میں تو آیا کہ اپنے ساتھیوں سے اُس کے بارے میں معلوم کرے لیکن اس نے دونوں کو خاموش دیکھا تو خود بھی خاموش ہی رہی۔
گاڑی اپنی انتہائی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔
وہ تینوں اپنی اپنی جگہ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔
صفدر اور طاہرہ کے ذہن میں ایک ہی شخص کی زندگی کے دو پُراسرار پہلو تھے۔ البتہ عمران شاید اپنے مینڈکوں کی فکر میں ڈوبا ہوا تھا جنھیں اُس کی غیر موجودگی میں سلیمان نے چُن چُن کر قتل کر ڈالا ہو گا یا پھر فلیٹ سے نکالا دے دیا ہو گا۔ گاڑی اب ایک موڑ سے گھوم کر سیدھے راستے پر چل نکلی جس کے آگے ایک فوجی چوکی تھی۔ چوکی پر موجود فوجیوں نے بھی شاید ایمبولینس کو دیکھ لیا تھا۔
عمران نے دیکھا کہ دو ایک ملٹری آفیسر اور چند مسلح سپاہی سڑک کے درمیان کھڑے ہو گئے ہیں۔ صفدر اور طاہرہ اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ عمران نے طاہرہ کو ٹہوکا دیا۔ اس نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی نگاہ چوکی پر پڑ گئی۔ اُس نے صفدر کو بھی ہوشیار کر دیا۔
عمران نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ چند لمحوں بعد وہ اُسے فوجیوں کے پاس روک رہا تھا۔ مسلح فوجیوں نے گاڑی کو نرغے میں لے لیا۔ ایک آفیسر انتہائی غرور سے اکڑا ہوا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔ اُس کی نگاہیں عمران پر سے ہوتی ہوئی طاہرہ پر جم گئیں۔ اُس کے عقب میں ایک فوجی مشین گن سنبھالے کھڑا تھا اور اُس کی نگاہیں اُن کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔
"میں محکمہ صحت سے متعلق ہوں اور اِس وقت ہم ایک اہم کام سے جا رہے ہیں۔"
"اِس خوبصورت نرس کے ساتھ۔۔۔؟"
"مجھے افسوس ہے آفیسر۔ تمھیں شاید ڈاکٹروں کے فرائض کا احساس نہیں۔" عمران کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ اس نے آفیسر کی بات بڑی مشکل سے ہضم کی ہے۔
"نیچے اُتر آؤ سب لوگ۔" آفیسر نے غصّے سے چلّا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن تمھیں اعلیٰ حکام کے سامنے جوابدہی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" عمران یہ کہہ کر نیچے اُتر آیا اور اُس نے صفدر کو بھی اُترنے کا اشارہ کر دیا۔

صفدر اور طاہرہ دوسری طرف اُتر گئے۔ صفدر سمجھ گیا کہ اِن خردماغوں کے حکم کی تعمیل ہی میں عافیت ہے۔ اس نے غور سے آفیسر کو دیکھا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "کس قدر خوبصورت اور کڑیل جوان آفیسر ہو لیکن چیچک کے ننھے ننھے جراثیم کسی کی خوبصورتی سے متاثر نہیں ہوتے۔"

"چیچک۔۔۔" آفیسر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں۔ ہم اِس وقت ایک ایسے ہی مریض کو اسپتال چھوڑ کر آئے ہیں۔"

"گاڑی کا عقبی حصّہ کھول کر دکھاؤ۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اِس کے لیے محکمۂ صحت کے وزیر کو اطلاع کرنا بہت ضروری ہے۔" عمران نے پُروقار لہجے میں کہا۔

"وہ کیوں؟"

"اِس لیے کہ آپ میں سے کوئی اگر اِس مرض کا شکار ہوگیا تو ہم پر کسی قسم کی ذمّے داری عاید نہ ہو۔"

آفیسر کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں ہوگئے۔

"دراصل ہمیں ایک جاسوس کی تلاش ہے اور ہم ہر اس چیز کا جائزہ لینے پر مجبور ہیں جہاں وہ بآسانی چھپ سکتا ہے۔"

"مَیں نے عرض کیا نا۔۔۔ محکمۂ صحت کے منسٹر سے بات کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ یہاں فون تو ہوگا۔"

عمران یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

آفیسر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا "نہیں ڈاکٹر، اس کی ضرورت نہیں۔ تم جا سکتے ہو لیکن آئندہ اس قسم کے متعدی جراثیم لے کر ہماری چوکی کی طرف مت آنا۔"

"لیجیے۔ جیسے مَیں ہمیشہ یہی کرتا ہوں۔" عمران یہ کہہ کر ہنس پڑا اور اُس نے آفیسر کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ بھی مار دیا۔

جواباً آفیسر بھی مُسکرایا تو۔۔۔ لیکن اس کا ہاتھ لگتے ہی وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ اُس وقت بھی مشکوک نگاہوں سے گاڑی کے عقبی بند حصّے کو گھورے جا رہا تھا۔ عمران نے یہ دیکھا تو سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا "مَیں آج واپس جا کر جو رپورٹ دوں گا اُس کے مطابق اِس چوکی کے تمام فوجیوں کو اسپتال بُلایا جائے گا۔"

"وہ کیوں؟" آفیسر چونک پڑا۔

"تاکہ احتیاطاً سب کے بازوؤں میں ہر چوبیس گھنٹے بعد چند روز تک لگاتار ایک سو بیس انجکشن لگائے جا سکیں۔"

"اوہ ڈاکٹر۔ پلیز۔ مَیں اِن باتوں سے بہت گھبراتا ہوں۔" آفیسر کے لہجے میں التجا تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ لوگوں کی ابھی ملک و قوم کو شدید ضرورت ہے اِس لیے ہم مجبور ہیں۔ اوکے آفیسر۔"

"ڈاکٹر۔ پلیز۔ پلیز۔" شاید وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے تو انجکشنوں کے عذاب سے محفوظ رکھا جائے۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پُروقار انداز میں چلتا ہوا واپس اسٹیئرنگ پر آیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ صفدر اُس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ فوجیوں نے گاڑی آگے بڑھنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

گاڑی چوکی سے کچھ آگے گئی تو عمران نے بریک لگا دیے۔ "طاہرہ۔ چلو اب آجاؤ آگے۔" اُس نے عقبی حصّے کی طرف مڑ کر پکارا۔

جواب ندارد۔

عمران نے نسبتاً بلند آواز میں طاہرہ کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

صفدر اور عمران گاڑی کے پچھلے حصّے کی طرف لپکے۔۔۔ پھرتی سے دروازہ کھولا، پھر وہ ایک دوسرے کی طرف ہونقوں کی طرح دیکھتے رہ گئے۔

گاڑی خالی پڑی تھی اور طاہرہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

* * *

طاہرہ کی گمشدگی نے اُن دونوں کو بوکھلا دیا۔ اُن کے ذہن میں سینکڑوں اندیشے چکرا گئے۔ صرف دو باتیں ہی قرینِ قیاس تھیں۔ ایک تو یہ کہ طاہرہ ازخود فرار ہوگئی جبکہ دوسرا خدشہ یہ تھا کہ کہیں اُسے کسی یہودی فوجی نے نہ اُٹھا لیا ہو۔

"میرا خیال ہے مَیں واپس جا کر دیکھتا ہوں آپ آگے بڑھ جائیں۔"

صفدر کی بات سُن کر عمران چونک پڑا پھر اُس کی نگاہوں میں سرد مہری پیدا ہوگئی "نہیں صفدر۔ اب تمھارا واپس جانا خطرے سے خالی نہیں۔"

"لیکن عمران صاحب . . ." صفدر نے اصرار کرنا چاہا مگر عمران کے چہرے پر سختی کے تاثرات دیکھ کر خاموش ہو گیا۔
عمران نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔
اس بار رفتار خطرناک حد تک تیز تھی۔ عمران کے جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخی تیرنے لگی تھی۔ صفدر نے اُسے پہلے کبھی اتنے خطرناک تیوروں کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔
گاڑی ہوا کے دوش پر سوار اُڑتی رہی حتیٰ کہ انھیں وہ چوکی دکھائی دینے لگی جہاں سے گزشتہ رات انھیں قلعے میں منتقل کیا گیا تھا۔ عمران نے رفتار مزید تیز کر دی۔ پیچھے راستے پر ایمبولینس کسی زخمی درندے کی طرح اُچھلتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔
"اب ہم اُس چوکی کے قریب پہنچ رہے ہیں جہاں سے پچھے کی تلاش کا آغاز کرنا ہے۔" عمران بڑبڑایا۔
"ہوں۔" صفدر نے اثبات میں سر ہلایا۔
"لیکن چوکی پر کوئی سپاہی دکھائی نہیں دے رہا ہے۔" عمران بولا۔
"نہ جانے کیا بات ہے؟" صفدر کا لہجہ اُلجھن آمیز تھا۔ "کہیں یہ لوگ اِدھر اُدھر چھپے ہوئے تو نہیں ہیں؟"
"نہیں ایسی بات تو دکھائی نہیں دیتی۔" عمران پُرتشویش لہجے میں بولا۔ اُس کے ہاتھ مضبوطی سے اسٹیرنگ پر جمے ہوئے تھے۔
اب وہ رُکاوٹ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ دُور دُور کسی فوجی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ دونوں اپنی جگہ حیران تھے کہ رات کو اس قدر آباد رہنے والی چوکی اِس وقت سنسان کیوں نظر آ رہی ہے۔
"میرا خیال ہے، فوجی چوکیاں بدلتے رہتے ہیں۔" صفدر نے خیال آرائی کی۔ "ممکن ہے، یہاں سے کچھ آگے اُنھوں نے دوسری چوکی بنائی ہو۔"
"ابھی پتہ چل جائے گا۔" عمران نے گاڑی رُکاوٹ کے پاس سے گزارتے ہوئے . . . خاصے فاصلے پر، ایک سایہ دار جگہ روک دی اور پھر دونوں نیچے اُتر آئے۔
چوکی واقعی ویران دکھائی دے رہی تھی۔
"ہمیں اُس شیڈ کی طرف جانا ہے۔" عمران نے ایک شیڈ کی طرف اشارہ کیا جو اندر سے تاریک دکھائی دے رہا تھا۔

ایک طرف شیڈ کا دروازہ تھا جو اُس وقت بند تھا اُس کے پاس ہی کئی چھوٹے چھوٹے خانے سے تھے . . . شاید ہوا کے لیے بنائے گئے تھے۔ اگرچہ آس پاس کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا تاہم عمران کی چھٹی حس اُسے چلا چلا کر بتا رہی تھی کہ شیڈ میں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔
وہ دبے پاؤں شیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے اُن سوراخوں کے قریب پہنچ گئے جو دیوار سے اینٹیں نکل جانے کی وجہ سے بنے ہوئے تھے۔ عمران نے صفدر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود جھک کر ایک سوراخ سے آنکھ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ بُری طرح چونک اُٹھا۔
صفدر نے اُسے چونکتے دیکھا تو وہ بھی ایک سوراخ پر جھک گیا اور پھر اُس کی حالت بھی عمران سے مختلف نہ ہوئی۔
شیڈ میں اندھیرا تھا اس کے باوجود انھیں وہ سایہ دکھائی دے گیا تھا جو ایک کونے میں جھکا نہ جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔
. . . اور پھر اُن کی نگاہوں سے وہ سائے بھی نہ چھپے رہ سکے جو شیڈ کے دوسرے سرے سے اُس سائے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کونے میں جھکا ہوا سایہ اُن لوگوں کی موجودگی سے بے خبر لگ رہا تھا۔
"کون ہو سکتا ہے؟" صفدر نے سرگوشی کی۔
"معلوم نہیں۔" عمران بڑبڑایا۔
"کہیں طاہرہ تو نہیں؟" صفدر نے دوبارہ سرگوشی کی۔
"اُڑ کر پہنچ گئی ہوگی۔" عمران نے . . . منہ بنا کر کہا اور صفدر کا ہاتھ دبا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
صفدر ایک طویل سانس لے کر اندر دیکھنے لگا۔ اچانک وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پورے شیڈ میں روشنی پھیل گئی تھی۔ روشنی میں انھوں نے شیڈ کے اندر کئی فوجیوں کو دیکھا جن کے آگے وہی پُراسرار، مخفی سا یہودی چیف کھڑا تھا۔ شاید اُن فوجیوں میں سے کسی نے سرچ لیمپ روشن کر دیا تھا۔
عمران کی نگاہ جیسے ہی . . . جھکے ہوئے آدمی پر پڑی، وہ بُری طرح چونک پڑا۔ اِس وقت اُن کی طرف اُس شخص کی پیٹھ تھی تاہم صفدر اپنے کپڑوں کو پہچان گیا . . . اُس نے عمران کی طرف جھک کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن عمران نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔
شیڈ میں روشنی ہوتے ہی وہ شخص پھرتی سے پلٹ پڑا۔

اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ عمران کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

وہ بلیک زیرو ہی تھا !

"ایکسٹو۔۔۔" صفدر بڑبڑایا۔

"خاموش رہو یار۔" عمران نے اُسے جھڑک دیا۔

صفدر پلکیں جھپکائے بغیر اندر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا خیال جو پیدا ہوا' یہی تھا کہ کیا اس کا چیف میک اپ میں ہے ؟ اُسے سوچنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ یہودی چیف اب بلیک زیرو کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ "آخر تم خود ہی شیر کی کچھار میں واپس آ گئے۔"

بلیک زیرو خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتاؤ' وہ چیز کہاں ہے ؟" یہودی آفیسر عربی میں بولا۔

"کون سی چیز ؟"

"وہی جو لونا ائرپورٹ پر تمہاری جیب میں ٹھونسی گئی تھی ؟"

"اُس وقت غالباً تم بھی جہاز میں موجود تھے۔ کیا تم نے کسی کو کوئی چیز میری جیب میں ٹھونستے دیکھا تھا ؟"

"مجھے سبق نہ دو۔ جلدی سے نکالو' وہ کچھوا۔۔۔ ورنہ تمہاری بوٹی بوٹی نچوا دوں گا۔"

"تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے محترم آفیسر۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"ابھی دیکھ لیتا ہوں۔ اگر وہ کچھوا نہ نکلا تو یاد رکھو تمھیں وہ لانا ہی پڑے گا چاہے تمھیں خود وہ کچھوا جنم دینا پڑے۔" یہودی چیف نے یہ کہہ کر دو فوجیوں کو اشارہ کیا۔ جنھوں نے آگے بڑھ کر بلیک زیرو کے دونوں بازو مضبوطی سے پکڑ لیے۔ یہودی آفیسر بھوکے عقاب کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑا۔

بلیک زیرو بڑے صبر و تحمل سے ساکت کھڑا رہا۔ یہودی چیف بے صبری سے اُس کی تلاشی لیتا رہا' پھر کچھ دیر بعد وہ ہانپتا ہوا ہٹ گیا۔ اب وہ خونخوار نگاہوں سے بلیک زیرو کو گھور رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

پھر وہ چیخ کر آگے بڑھا۔

"میں کہتا ہوں' بتاؤ' وہ کچھوا کہاں ہے۔ بتاؤ۔"

اُس نے بلیک زیرو کا کالر پکڑ کر اسے بُری طرح جھنجوڑ ڈالا۔

بلیک زیرو کسی چٹان کی طرح خاموش کھڑا رہا۔

چیف نے ایک زناٹے دار تھپڑ بلیک زیرو کے مُنہ پر رسید کر دیا اور اتنے زور زور سے چیخنے لگا کہ پورا شیڈ اس کی آوازوں سے گونج اُٹھا۔

اپنی نگاہوں کے سامنے ایکسٹو کی تذلیل صفدر سے برداشت نہ ہو سکی۔ اگر عمران ایکدم اُسے روک نہ لیتا تو وہ تمام مسلح فوجیوں کو ہی للکار بیٹھتا۔ عمران نے کڑے تیوروں سے اُسے گھورا اور صفدر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا۔

"کاش میں یہاں نہ آیا ہوتا۔" بلیک زیرو کہہ رہا تھا۔

"تم نے سمجھا ہو گا کہ اِس بار بھی دو تین سپاہیوں کو مار ڈالو گے۔" چیف نے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا۔ اب اُسے کیا معلوم تھا کہ خود بلیک زیرو اُس آہنی کچھوے ہی کی تلاش میں دوبارہ اِس شیڈ تک آیا ہے۔ وہ بڑی بے نیازی سے کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر خوف یا سراسیمگی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

یہودی چیف نے کڑے تیوروں سے بلیک زیرو کی طرف دیکھا جو خود کو انتہائی بے پروا ظاہر کر رہا تھا۔ اُسے خوفزدہ نہ دیکھ کر یہودی چیف کا پارہ دوبارہ چڑھ گیا لیکن اُس نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دیکھو نوجوان' اب تمھارے لیے بہتر ہو گا کہ اُس کچھوے کا پتہ بتا دو۔"

"میں کسی کچھوے کو نہیں جانتا۔" بلیک زیرو نے ہاتھ جھٹک کر جھنجلاہٹ کا اظہار کیا۔

"جبکہ جہاز سے کودتے وقت وہ تمھاری جیب میں تھا۔"

"کچھوا اور جیب میں۔" بلیک زیرو نے مضحکہ اڑایا۔

"کیا تم اِس بات سے انکار کہ کچھوا تمھاری جیب میں تھا ؟"

"میں نے اتنی بار کپڑے تبدیل کیے ہیں' مجھے کچھ یاد نہیں کہ میری جیب میں کیا کیا کچھ تھا ؟"

"جھوٹے مکار۔" یہودی چیف نے دوبارہ ایک تھپڑ بلیک زیرو کے مُنہ پر مارا۔ اِس بار تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ بلیک زیرو لڑکھڑا کر رہ گیا۔ اُسی لمحے ۔۔۔

۔۔۔ بلیک زیرو نے آگے بڑھ کر ایک گھونسہ پوری قوت سے یہودی چیف کے پیٹ میں مار دیا۔

یہودی چیف نے غرّا کر اپنا پیٹ پکڑ لیا۔ اُس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ گھونسے نے اُس کے معدے کا

سارا انتظام گڑبڑ کر دیا ہے۔" تم۔ تم ذلیل۔۔۔ تم میں اتنی جرأت کہ مجھ پر ہاتھ اُٹھا سکو۔۔۔ مجھ پر، جس کے نام سے پوری دُنیا کانپتی ہے۔"

"مَیں نے تمھیں صرف یہ احساس دلایا ہے کہ دوسروں کو بھی ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے۔" بلیک زیرو نے مُسکرا کر جواب دیا۔

صفدر اس کی جرأت پر عش عش کر اُٹھا اور اس کا سینہ فخر سے پھیل گیا۔

بلیک زیرو کی اِس حرکت پر یہودی چیف کے پیچھے کھڑے ہوئے فوجیوں میں سے ایک نے جلدی سے اپنی رائفل سیدھی کر لی لیکن اِس سے قبل کہ وہ بلیک زیرو پر گولی چلاتا، چیف نے لپک کر اُس سے بندوق چھین لی اور اُسے پھینکتے ہوئے حلق کے بل چلایا۔" تم۔ بے وقوف گدھے۔ اسے ابھی سے مار دینا چاہتے ہو جبکہ مجھے اس سے کچھوے کے بارے میں دریافت کرنا ہے۔"

"مَیں معافی چاہتا ہوں جناب۔ مَیں آپ کی تذلیل برداشت نہ کر سکا۔" سپاہی نے ندامت سے سر جھکا کر کہا

"اب تم اپنی زبان کھولو اور سیدھے ہو جاؤ۔" یہودی چیف پلٹ کر غرّایا۔ اِس بار اُس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کچھوے کا راز اُگلوانے کے لیے انتہائی تشدد سے کام لینے سے بھی باز نہیں رہے گا۔

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" بلیک زیرو چِلّا کر بولا۔" مَیں کسی کچھوے کے بارے میں نہیں جانتا۔ تم مجھے گولی مار کے قصّہ ہی پاک کر دو۔ مَیں بھی بے زار ہو گیا ہوں۔"

"گولیاں جتنی تمھاری مرضی کھا لو لیکن راز تو تمھیں ہر حال میں اُگلنا پڑے گا۔" یہودی آفیسر نے گولیوں کا تذکرہ ایسے لہجے میں کیا جیسے بلیک زیرو نے کسی انعام کا تقاضا کیا ہو اور وہ جواباً سخاوت کا مظاہرہ کر رہا ہو۔" ٹھیک ہے۔" یہودی آفیسر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر فوجیوں میں سے ایک کڑیل نوجوان کو اشارے سے پاس بُلا لیا اور کہا۔" اِس کو اتنا مارو کہ یہ کچھوے کے بارے میں بتانے پر مجبور ہو جائے۔"

کڑیل جوان خونخوار نگاہوں سے دیکھتا ہُوا جارحانہ انداز میں بلیک زیرو کی طرف بڑھنے لگا۔

صفدر اور عمران کے لیے اب یہ منظر ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

صفدر نے عمران کی طرف اِس انداز سے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ اب اُسے کس بات کا انتظار ہے؟ اِدھر عمران کو بلیک زیرو کی فکر کے ساتھ ساتھ اُس کچھوے کے بارے میں بھی تشویش ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ بلیک زیرو کے پاس کچھوا نہیں ہے۔ اِس کا مطلب ہے کچھوا شیڈ میں موجود ہی نہیں ہے۔ تو پھر طاہر نے اُسے کہاں کھو دیا؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ چوکی ویران پڑی تھی۔ تمام فوجی۔۔۔ شیڈ میں موجود تھے۔ ایسے میں وہ بلیک زیرو کے لیے کچھ کرتا تو حالات مزید بگڑنے کا خدشہ تھا۔ اُدھر صفدر کی حالت دیکھ کر اُس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ زیادہ دیر خاموش نہیں رہے گا۔

"صفدر، اپنے آپ پر قابو رکھو۔ جب تک وہ کچھوا ہاتھ نہیں لگ جاتا، اِن لوگوں سے اُلجھنا مصائب کو دعوت دینا ہے۔" اُس نے سرگوشی کی۔

"لیکن یہ لوگ ایکسٹو کو مار ڈالیں گے۔"

"کیا تم نے ایکسٹو کو ایسا ہی تر نوالہ سمجھ رکھا ہے پیارے۔ اُس کی فکر چھوڑو اور کچھوے کے بارے میں سوچو۔" اچانک اندر سے کراہنے کی آواز سُنائی دی۔

دونوں دوبارہ سوراخوں پر جھک گئے۔

اِس بار جو منظر اُنھوں نے دیکھا وہ انتہائی لرزہ خیز تھا۔ خود عمران کی مُٹھیاں غصّے سے بھنچ گئیں۔

اُنھوں نے دیکھا کہ بلیک زیرو کے سر پر ایک باریک ریشمی ڈوری بندھی ہوئی ہے جس کے اوپر رائفل کی نال پھنسا کر اُسے گھمایا جا رہا تھا۔ رائفل کے گھومنے سے ڈوری کا حلقہ بلیک زیرو کے سر پر تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

بلیک زیرو اب خاموشی سے چت پڑا تھا۔ اس کے حلق سے ایک کراہ بھی نہیں نکل رہی تھی۔ بادی النظر۔۔۔ وہ بے ہوش دکھائی دیا لیکن جیسے ہی رائفل کو مزید گھما کر ڈوری کا حلقہ تنگ کیا گیا اس کے جسم میں حرکت پیدا ہو گئی۔

یہودی چیف اُس کے قریب کھڑا تھا اور بڑی توجّہ سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے بلیک زیرو پر اِس حربے کو بھی ناکام محسوس کیا تو مارے جھنجلاہٹ کے وہ دیوانہ ہو گیا۔ اُس نے بلیک زیرو کو دو تین ٹھوکریں





... ماریں اور پاگلوں کی طرح چلّایا۔" اومردود۔ آخر وہ کچھوا تمھارے کس کام کا ہے؟"

"وہ میرے پاس نہیں ہے۔" بلیک زیرو کی آواز سُنائی دی۔ اُس کے لہجے میں ذرا سی بھی کمزوری یا خوف کا تاثر نہیں تھا۔

صفدر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم اوّل درجے کے جھوٹے ہو۔" یہودی آفیسر چلّا کر بولا۔" ہماری اطلاع کے مطابق اُس غدار ٹھگنے نے اُسے تمھاری جیب میں ٹھونسا تھا۔"

"لیکن جہاز میں اور بھی تو مسافر تھے۔ ممکن ہے تمھارے انفارمر کو غلط فہمی ہُوئی ہو۔ میں اُس کچھوے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اِس کی کھوپڑی اور کس دو۔ ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" یہودی چیف زمین پر پاؤں مارتے ہُوئے چیخا۔

قوی الجثہ فوجی رائفل کو گھمانے لگا۔

ریشمی ڈوری اب بلیک زیرو کی پیشانی میں گھُسنے لگی تھی لیکن وہ اب بھی اپنے آپ پر قابو پائے ہُوئے تھا۔

یہودی چیف دلچسپی سے اِس منظر کو دیکھتا اور سگار کے کش لگاتا رہا۔ اچانک اُس نے سگار کا جلتا ہُوا سرا بلیک زیرو کے حلق پر رکھ دیا۔ بلیک زیرو تھرّا اُٹھا۔

اذیت اب کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔ لیکن بلیک زیرو کے مُنہ سے کچھوے کے بارے میں ایک جُملہ بھی نہیں نکلا۔ اچانک چیف نے سگار ہٹا لیا اور حیرت سے بلیک زیرو کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے قوی الجثہ فوجی کو بھی روک دیا۔ وہ بلیک زیرو کی طرف جھک کر بولا۔" دیکھو، اگر تم وہ کچھوا میرے حوالے کر دو تو میں تمھیں بحفاظت جانے کی اجازت دے دوں گا۔ اور ممکن ہے تمھیں کچھ انعام بھی دے دیا جائے۔"

"میں کہتا ہُوں۔ میرا دماغ خراب مت کرو۔ میں نے کوئی کچھوا نہیں دیکھا۔"

"ہُوں۔ خیر میں تمھارے لیے ابھی فیصلہ کرتا ہُوں۔" یہ کہہ کر یہودی چیف سگار کے کش لگاتے ہُوئے ... ٹہلنے لگا۔ چند لمحوں ... بعد اُس نے بلیک زیرو کو ٹھوکر ماری اور بولا۔" سُنو۔ خود فیصلہ کرو کہ تم فوری موت چاہتے ہو یا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا پسند کرو گے؟"

اُس کے لہجے ... سے پتہ چلتا تھا کہ اب وہ فیصلہ کُن قدم اُٹھانے والا ہے۔

"سنو صفدر۔ میں اندر کودتا ہوں۔ تم یہیں ٹھہرو۔"... عمران نے اچانک صفدر کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔
"نہیں۔ میں بھی ساتھ ہی رہوں گا۔" صفدر نے ضدی لہجے میں کہا۔
"صفدر۔۔" عمران کی سرگوشی میں نہ جانے کیا بات تھی کہ صفدر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔
"آپ اکیلے جاکر کیا کریں گے، اندر درجنوں مسلح فوجی ہیں۔"
"ادھر دیکھو۔ ایک فوجی مشین گن لیے کھڑا ہے اگر میں اس تک پہنچ جاؤں تو سب سے نمٹ سکتا ہوں۔"
"لیکن یہ خودکشی ہے۔" صفدر بڑبڑایا۔
"یہ... وقت کا تقاضا ہے صفدر۔ خبردار کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ اگر میں بھی گرفتار ہو گیا تو اپنا مشن جاری رکھنا۔"
"سنیئے عمران صاحب۔" صفدر نے یہ کہہ کر جیب سے ایک سکہ نکالا اور بولا۔ "ہمیں ایمانداری سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں ٹاس کرتا ہوں۔"
"یہ کیا بچوں کی سی حرکت ہے۔" عمران کی سرگوشی انتہائی سرد تھی۔ صفدر زمین پر گڑ کر رہ گیا۔
اچانک عمران دروازے کی طرف بھاگا لیکن اس سے قبل کہ وہ شیڈ کے اندر کود پڑتا اُسے ایک چیخ سنائی دی۔

یہ نسوانی چیخ شیڈ کے قریب ہی سے سنائی دی تھی۔ ساتھ ہی ایک گولی چلنے کی آواز آئی۔۔۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ عمران چونک کر رک گیا۔ آواز سے اُس نے پہچان لیا کہ چیخنے والی طاہرہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ گولی چلنے اور چیخنے کی آواز شیڈ کے اندر بھی سنائی دی ہوگی۔ ایسے میں نہ تو اندر گھسا جا سکتا تھا اور نہ ہی وہاں رکا جا سکتا تھا ویسے اس بات کا عمران کو یقین ہو گیا کہ وقتی طور پر بلیک زیرو کی جان بھی بچ گئی ہے اور یہ تو طے تھا کہ ہر ایک باہر بھاگے گا۔ عمران نے پھر جست لگائی اور صفدر کا ہاتھ پکڑ کر دوڑ پڑا۔ طاہرہ کی چیخ سے اُس نے سمت کا تعین تو کر ہی لیا تھا لیکن وہ ابھی طاہرہ تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شیڈ سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔
عمران نے ایک قریبی جھاڑی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ صفدر نے بھی اُس کی تقلید کرنے میں سستی نہیں کی۔ اتفاق سے وہ جھاڑی شیڈ سے متصل تھی۔ کئی فوجی جوان اُن کی کمین گاہ کے سامنے سے گزر گئے۔ اچانک یہودی چیف کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ "وہ دیکھو کون پڑا ہوا ہے۔ ارے یہ تو کوئی عورت ہے۔"
عمران نے جھاڑی میں تھوڑی سی جگہ پیدا کر کے دوسری طرف دیکھا۔ کچھ فاصلے پر اُسے طاہرہ خون میں لت پت پڑی دکھائی دی۔
"میں کہتا ہوں اسے کس نے گولی ماری ہے۔" چیف دھاڑا۔
"میرا خیال ہے جناب یہ ہماری نگرانی کر رہی تھی اس لیے ہمارے کسی آدمی نے اِسے گولی ماردی ہے۔" ایک آفیسر نے خیال آرائی کی۔
"سب شیڈ کے اندر تھے۔ کیا وہاں سے کسی نے گولی چلائی تھی؟" اس نے یہ کہہ کر اپنے قریب کھڑے ہوئے فوجیوں کو گھورا لیکن سب خاموش رہے۔ ظاہر ہے اُن میں سے تو کسی نے گولی نہیں چلائی تھی۔
"ارے اِس کے ہاتھ میں کیا ہے؟" یہودی چیف یہ کہہ کر طاہرہ کی طرف بڑھا۔
عمران اس چھوٹی سی جگہ سے سارا منظر دیکھ رہا تھا جو اُس نے گنجان جھاڑی میں پیدا کر لی تھی۔ اس نے دیکھا کہ یہودی چیف طاہرہ پر جھکا۔۔۔ پھر اُس کے ہاتھ میں ایک عجیب سی چیز دکھائی دی۔ دیکھنے میں وہ کوئی ڈبیہ ہی لگتی تھی۔ "اوہ۔۔۔ میرا خیال ہے اِس میں کچھوا موجود تھا۔" یہودی چیف چلا کر بولا۔ "اسے گولی مار کر کوئی غیر ملکی جاسوس اُسے اڑا لے گیا۔ افسوس، ہم اندر اس کتے سے مغز ماری کرتے رہے اور کوئی جاسوس کچھوا لے اڑا۔ میں کہتا ہوں تم لوگ کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ تلاش کرو۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ جاؤ جلدی کرو۔"
عمران نے صفدر کو اشارہ کیا۔ صفدر خاموشی سے اُٹھا اور جھاڑی سے باہر نکل آیا۔ اچانک عمران کو ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔
وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔
دفعتاً اُس کی نگاہ گھاس پر رینگتی ہوئی ایک سیاہ سی چیز پر پڑی۔ وہ پھرتی سے اُدھر جھپٹا۔۔۔ پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔
وہ ایک چھوٹا سا کچھوا تھا جو گھاس پر رینگ رہا تھا۔

عمران نے حیرت سے کچھوے کو دیکھا جس کے بارے میں اُسے بتایا گیا تھا کہ وہ دھات کا بنا ہوا ہے لیکن یہ کچھوا تو رینگ رہا تھا بالکل کسی زندہ کچھوے کی طرح ...

اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اُٹھا لیا۔ عین اُس وقت اُسے جھاڑی کی دوسری طرف آہٹ سُنائی دی اُس نے جھپٹ کر کچھوے کو جیب میں ڈال لیا اور جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔

صفدر خاموشی سے ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

عمران نے اُسے ٹہوکا دیا اور دوسرے ہی لمحے وہ شیڈ کی طرف بھاگ اُٹھے۔ دفعتاً شیڈ کے قریب ہی انھیں ایک غراہٹ سُنائی دی۔

"ٹھہرو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

صفدر کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ آواز صد فی صد ایکسٹو ہی کی تھی۔ "یہ... یہ ہم دونوں ہیں جناب۔" عمران نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

صفدر نے محسوس کیا کہ عمران کی آواز پہچانتے ہی ایکسٹو ہنسا تھا لیکن کیا وہ ہنسنے کی آواز تھی؟ صفدر کانپ کر رہ گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی درندے کے حلق سے غراہٹ نکلی ہو۔

"تم دونوں اتنی بے پروائی سے اِدھر آ رہے تھے خیر، اب کوئی خطرہ نہیں۔ یہاں چار سپاہی تھے میں نے انھیں ٹھکانے لگا دیا ہے۔" ایکسٹو یہ کہہ کر سامنے آ گیا۔

صفدر نے دیکھا وہ ایک آفیسر کی وردی میں ملبوس تھا شاید یہ وردی اُس محافظ آفیسر ہی کی تھی جسے ایکسٹو نے ختم کر دیا تھا۔

"چلو، اندر جو مُردہ فوجی پڑے ہیں، اُن کی وردیاں پہن لو۔"

عمران اور صفدر نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔

ایکسٹو کے ہاتھ میں مشین گن تھی جسے تان کر وہ دروازے ہی میں کھڑا ہو گیا تھا۔ صفدر اور عمران نے مُردہ فوجیوں کی وردیاں ڈاکٹروں کے کپڑوں کے اُوپر ہی پہن لیں۔ انھوں نے پاس پڑی ہوئی رائفلیں بھی اٹھا لیں۔ ... پھر وہ ایکسٹو کے پیچھے مارچ کرتے ہوئے ایک طرف بڑھ گئے۔

باہر موجود فوجیوں کے جیسے دماغ الٹ گئے تھے۔ ہر ایک اِدھر اُدھر بوکھلایا ہوا گھوم رہا تھا۔ ایسے میں تین باوردی آدمیوں کی طرف کس کا دھیان جا سکتا تھا؟ البتہ ایک بات کی اُن کو جلدی تھی کہ وہ کسی طرح اِس چوکی سے دُور نکل جائیں۔ اچانک... پیچھے سے یہودی چیف کی دھاڑ سُنائی دی۔ "اے۔ تم تینوں کیا پریڈ کرتے پھر رہے ہو۔ چلو تم بھی تلاش کرو۔ جلدی چلو۔" اِس کے ساتھ ہی عمران کی پیٹھ پر ایک زوردار لات پڑی۔

بلیک زیرو اور صفدر تیزی سے بھاگ اُٹھے۔

عمران اس اُفتاد پر بوکھلا کر... پہلے تو چاروں طرف ناچتا رہا پھر وہ بھی سرپٹ انہی کے پیچھے بھاگا اور پھر ایمبولینس تک پہنچ گیا۔ جہاں صفدر اور ایکسٹو اس سے پہلے پہنچ گئے تھے۔

عمران تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا پھر فوجی وردی اُتار دی... اب وہ دوبارہ ڈاکٹر دکھائی دے رہا تھا۔ صفدر نے بھی اُس کی تقلید کی البتہ ایکسٹو فوجی آفیسر کی وردی ہی میں گاڑی کے عقبی حصے میں چلا گیا اُس نے ایک سوراخ سے اسٹین گن کی نال پیچھے کی طرف نکال دی اور دوسرے سوراخ سے باہر کا جائزہ لینے لگا۔

عمران نے ایمبولینس اسٹارٹ کر دی۔

"روکو... روکو... کون ہے گاڑی میں۔" اچانک بہت سی رائفلیں ایک ساتھ گرج اٹھیں۔

عمران نے ایک دھچکے سے گاڑی روک دی اور مُنہ پیچھے کی طرف کر کے دھاڑا۔ "یہ کیا مذاق ہے۔ کیا کسی کی جان لینے کا ارادہ ہے؟"

اتنی دیر میں دو آفیسر اور چند فوجی گاڑی کے عقب میں پہنچ گئے۔ ایک آفیسر عمران کی طرف آیا۔ عمران نے اُسے گھور کر دیکھا اور غرایا۔ "کیا تم سب کے سب نشے میں دُھت ہو؟"

"کیا بات ہے۔ کیوں چلا رہے ہو؟" آفیسر ناگواری سے بولا۔

"میں پوچھتا ہوں تم اسپتال کی گاڑی پر گولیاں کیوں چلا رہے تھے؟"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ دراصل ہمیں ایک جاسوس کی تلاش ہے۔"

"اور وہ جاسوس میں ہوں یا وہ ایمبولینس میں چھپا بیٹھا ہے، کیوں؟"

"میں معذرت چاہتا ہوں لیکن ہم گاڑی کی تلاشی لیں گے۔"

"میں پوچھتا ہوں کیا محکمۂ صحت کی طرف سے پوری فوج کی شراب نوشی پر پابندی لگوانا پڑے گی۔ تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے"

"بس ڈاکٹر۔ ہمیں اپنا فرض پورا کرنے دو۔" آفیسر نے یہ کہہ کر گاڑی کے عقبی حصے کی طرف کھڑے ہوئے فوجیوں کو اشارہ کیا۔

جیسے ہی وہ فوجی پچھلے دروازے کو کھولنے لگے اچانک مشین گن نے قہقہہ لگایا۔ اور وہ سب سینے پر ہاتھ رکھے زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ آفیسر نے جلدی سے ریوالور نکالنے کی کوشش کی لیکن صفدر کی رائفل سے نکلنے والی گولی اس کا کام تمام کر گئی۔

فائرنگ کی آواز نے شیڈ میں کہرام برپا کر دیا۔ تمام فوجی ایمبولینس کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ ہوائی فائر بھی کر رہے تھے۔ سب سے آگے یہودی چیف دھاڑتا، چنگھاڑتا چلا آ رہا تھا اس لیے فوجی سامنے فائر نہیں کر رہے تھے۔ ظاہر ہے اس طرح ان کا چیف ہی جہنم رسید ہو جاتا۔

"عمران۔۔۔" عقبی حصے سے ایکسٹو کی بھیانک آواز سنائی دی۔

"یس سر۔۔۔؟" عمران نے کہا۔

"ایمبولینس کو تیز رفتاری سے آگے بڑھاؤ۔ میں عقبی حصے سے ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"بہتر ہے جناب۔" عمران نے یہ کہہ کر گاڑی گیئر میں ڈال دی۔

گاڑی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھ گئی اور ان کے پیچھے درجنوں فوجی بوٹوں کی آوازیں یوں سنائی دیتی رہیں جیسے بہت سے مزدور سڑک کے کنارے بیٹھے بجری کوٹ رہے ہوں۔

عمران ایمبولینس کو ہوا کے دوش پر اڑائے لیے جا رہا تھا۔ صفدر خاموش بیٹھا حالات کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ ان کا مشن ناکام رہا۔۔۔ پھر اس کے ذہن میں معصوم اور خوبصورت طاہرہ کا پیکر گھوم گیا۔ جس نے اپنی جان دے کر ان کے لیے فرار ہونے کا موقع فراہم کیا تھا۔ طاہرہ کی موت نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔۔۔ اچانک ہی اس کے جسم۔۔۔ میں ایک سرد لہر دوڑ گئی اور وہ عمران کی طرف جھک گیا۔ اس نے پہلے تو عقبی حصے کی طرف دیکھا پھر عمران کی طرف منہ کر کے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایکسٹو کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مجھے افسوس ہے صفدر، تم آج بھی مجھے دہرے میک اپ میں دیکھ رہے ہو۔"

صفدر نے ایک طویل سانس لی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"پیدائشی نقاب پوش ہے۔" عمران نے جھک کر سرگوشی کی۔

عقبی حصے سے ایکسٹو کا کھنکتا ہوا قہقہہ سنائی دیا اور عمران بوکھلا کر سیدھا ہو گیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

صفدر دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا کہ ایکسٹو کو کیسے پتہ چلا کہ وہ عمران سے اس کے میک اپ میں ہونے یا نہ ہونے کا پوچھنے والا تھا۔

جس وقت وہ لوگ شیڈ والی چوکی سے فرار ہوئے تھے، اس وقت اچانک فوجیوں پر کئی سمتوں سے انجانی رائفلوں نے گولیاں چلانا شروع کر دی تھیں۔ اس بات کا احساس انہیں جلد ہی ہو گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہودی چیف ان کے تعاقب میں بھاگ کھڑا ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کے ذہن میں ایک خدشے نے سر ابھارا۔ یہ خدشہ یونہی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے کافی فاصلے پر ایک اور فوجی چوکی دیکھی تھی۔ یہ وہی چوکی تھی جہاں سے وہ آتے ہوئے گزرے تھے۔ عمران سوچ رہا تھا کہ کہیں پچھلی چوکی سے یہاں اطلاع نہ ہو گئی ہو۔

"کہیں یہ لوگ مداخلت نہ کریں۔" صفدر نے خیال آرائی کی۔

"دیکھتے جاؤ۔ تم اپنی رائفل قابو میں رکھو۔"

"میرا خیال ہے یہاں ابھی اطلاع نہیں ہوئی۔" ایکسٹو کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

عمران نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ "یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں جناب؟"

"اگر انہیں اطلاع ہو گئی ہوتی تو کچھ گاڑیاں ہمیں راستے میں ہی روکنے کے لیے پہنچ جاتیں۔" ایکسٹو نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے جناب، آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔"

"لیکن اب ہم جا کدھر رہے ہیں؟" صفدر نے پوچھا۔

"ہم طاہرہ کے بتائے ہوئے راستے پر ہیں اور ہماری منزل وہ خفیہ لشکر گاہ ہے جس کا پتہ طاہرہ نے دیا تھا۔"

گاڑی اب چوکی کے قریب پہنچ گئی تھی۔

کچھ سپاہی رائفلیں تانے ہوئے ان کے دونوں طرف

کھڑے ہو گئے۔ "گاڑی روک دو۔ گاڑی آگے نہیں جا سکتی۔"
اچانک عمران کو وہی آفیسر دکھائی دیا جسے اُس نے ایک سو بیس انجکشن لگانے کی دھمکی دی تھی۔ عمران نے اُسے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جواباً اُس نے بھی خوش اخلاقی سے ہاتھ ہلایا اور فوجیوں پر اُلٹ پڑا۔ "تم دیکھ نہیں رہے ہو۔ یہ وہی گاڑی ہے جو ابھی یہاں سے گزری تھی۔"
عین اُسی وقت چوکی کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آفیسر مُسکراتا ہوا اُدھر بڑھ گیا۔
عمران نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔
ناکہ بندی سے گزر کر اُس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ آفیسر نے ایک جھٹکے سے ریسیور پھینکا تھا اور ہاتھ ہلا ہلا کر ایمبولینس کی طرف اشارے کر رہا تھا۔
کئی فوجیوں نے فائر کھول دیا۔
شاید پچھلی چوکی سے انھیں اطلاع مِل گئی تھی۔
اگرچہ گاڑی خاصی آگے جا چکی تھی۔ تاہم کچھ گولیاں اُس کی باڈی میں گھس گئیں۔ عمران نے ایکسلیٹر پر پاؤں کا پورا بوجھ ڈال دیا۔
چوکی سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ پھر ایک گاڑی تیزی سے اُن کے تعاقب میں آتی دکھائی دی۔
"صفدر تم پیچھے آ جاؤ۔" ایکسٹو کی آواز سُنائی دی۔
صفدر تیزی سے دروازہ کھول کر گاڑی کی چھت سے ہوتا ہوا عقبی حصّے کی طرف پہنچ گیا۔ ایکسٹو نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اچانک گاڑی بڑے زور سے اُچھلی۔ صفدر نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ورنہ۔۔ گاڑی سے گر کر نشیب میں لڑھکنیاں کھا جاتا۔ اُس نے رائفل کھلے دروازے سے نیچے لٹکا دی۔
ایکسٹو نے رائفل لے لی اور وہ جھولتا ہوا عقبی دروازے سے اندر کود گیا۔ اُس نے دیکھا کہ عقبی گاڑی اب بہت قریب آ گئی تھی۔ عین اُسی وقت ایمبولینس کا انجن جھرجھرایا اور گاڑی جھٹکے کھانے لگی۔ شاید گاڑی کا پیٹرول ختم ہو گیا تھا۔ صفدر کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ اُس نے ایکسٹو کی طرف دیکھا لیکن اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔
گاڑی دو تین جھٹکے کھا کر رُک گئی۔
"عمران گاڑی چھوڑ کر نشیب میں اُتر چلو۔ تم دونوں دائیں طرف جاؤ، میں بائیں طرف دیکھتا ہوں۔۔۔ یہ ریوالور لے لو۔" ایکسٹو نے یہ کہہ کر فوجی وردی سے ایک ریوالور اور کچھ فالتو راؤنڈ نکال کر کھڑکی کے راستے عمران کو دیدیے۔
عمران نے ریوالور اور راؤنڈ لے کر دائیں طرف نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ صفدر بھی عقبی حصّے سے نکل کر اُس کے پیچھے ہی لپکا۔ ایکسٹو نے مشین گن سنبھالی اور بائیں طرف اُترتا چلا گیا۔
تعاقب کرنے والی فوجی گاڑی کچھ فاصلے پر آ کر رُک گئی۔ فوجیوں نے اُتر کر پوزیشن سنبھال لی اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ایمبولینس کی باڈی چھلنی ... ہو گئی۔ پانچ منٹ تک فائرنگ ہوتی رہی لیکن جب ایمبولینس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو آفیسر نے فوجیوں کو روک دیا۔ اب وہ خاموشی سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہا تھا۔
بلیک زیرو سڑک کے بائیں اور عمران، صفدر کے ساتھ دائیں نشیب میں جھاڑیوں کے عقب میں دُبکے ہوئے بیٹھے تھے۔ جب آفیسر کو اطمینان ہو گیا کہ اب ایمبولینس میں کوئی زندہ نہیں بچا ہو گا۔ اُس نے فوجیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ رائفلیں سنبھالے ایمبولینس کی طرف بڑھ گئے۔
اُسی لمحے ایکسٹو کی مشین گن نے گولیاں اُگلنا شروع کر دیں۔ کئی سپاہی پہلی ہی باڑھ میں زمین بوس ہو گئے۔ چند سپاہی اپنی گاڑی کی طرف بھاگے لیکن عمران اور صفدر اُن کے منتظر تھے۔ انھوں نے ایک ایک کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ فوجی آفیسر جو تنہا ہی گاڑی کے پاس رہ گیا تھا، تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف لپکا لیکن اِس وقت تک صفدر اُس کے عقب میں پہنچ گیا تھا۔
آفیسر نے اپنے پیچھے آہٹ سُنی تو پھرتی سے پلٹا لیکن صفدر کا گھونسہ بہت جاندار تھا۔ صفدر نے ایک ہاتھ اس کے ریوالور پر مارا اور دوسرا گھونسہ اس زور سے پیٹ میں ... کہ وہ بلبلا اُٹھا۔ وہ اُلٹ کر سڑک پر گرتا لیکن اچانک اس کی پیٹھ سے مشین گن لگ گئی۔ بلیک زیرو نے اُسے سنبھال لیا۔
"چلو گاڑی میں بیٹھو۔" بلیک زیرو کی آواز میں تحکمانہ سرد مہری تھی۔
آفیسر پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔
"چلو بھائی۔ کیوں ہم بے دردیوں سے مار کھانا چاہتے ہو؟" عمران کے لہجے میں منت سماجت کا بھرپور تاثر تھا۔

آفیسر چپکے سے فوجی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ایکسٹو اُسے مشین گن سے کور کیے رہا پھر ایکسٹو نے عمران اور صفدر کو حکم دیا کہ ایمبولینس کو نشیب میں دھکیل دیا جائے۔

عمران اور صفدر نے بڑی عجلت سے فوجیوں کی لاشیں اندر رکھ کر ایمبولینس کو نشیب میں دھکیل دیا۔

آفیسر کو عمران کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ بلیک زیرو اور صفدر عقبی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ "دیکھو آفیسر۔ تم نے جہاں کہیں بھی کوئی غلط حرکت کی، وہیں گولی مار کر پھینک دوں گا۔" ایکسٹو نے تحکمانہ سرد لہجے میں کہا۔

عمران نے فوجی گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھا دی۔

"کیا اگلی چوکی کو بھی اطلاع مل چکی ہے؟" ایکسٹو نے یہودی آفیسر سے پوچھا۔

آفیسر خاموش رہا۔

ایکسٹو نے ایک بار پھر سخت لہجے میں پوچھا لیکن وہ جواب نہ دے سکا۔ عمران نے پلکیں جھپکا کر آفیسر کی طرف دیکھا جو منہ بھینچے بیٹھا ہوا تھا۔ "کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟" عمران نے پوچھا۔

آفیسر نے بوکھلا کر عمران کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ "کیوں؟"

"دراصل میں تمہیں بیوی بچوں کا واسطہ دینا چاہتا تھا۔" عمران نے غمگین لہجے میں کہا۔

"تم کون لوگ ہو؟"

"تمہارے رشتے دار نہیں ہیں۔" عمران نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے، ہمارا چیف تم لوگوں کا دشمن کیوں ہے؟"

"کیا تم اِس بات سے آگاہ نہیں ہو؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"عمران، اِس سے اگلی چوکی کے بارے میں پوچھو۔" ایکسٹو نے اپنی زبان میں عمران سے کہا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"میں نے سُنا ہے، اگلی چوکی پر تمہاری بہن کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی تھی۔"

"کیا بکتے ہو۔" آفیسر بگڑ گیا۔

"وہاں کا آفیسر کہہ رہا تھا۔" عمران نے معصوم لہجے میں کہا۔

"میں اسے گولی مار دوں گا۔ اس نے کب کہا تھا تم سے؟"

"جب میں اس طرف آ رہا تھا۔"

"میں سمجھ لوں گا، اُوسے بھی۔" آفیسر بڑبڑایا۔

"اُس چوکی پر جو فون ہے، اُس سے وہ تمہارے گھر کال کرتا رہا ہوگا۔" عمران نے بات آگے بڑھائی۔

"تمہیں کس گدھے کے بچے نے کہا ہے کہ وہاں فون ہے۔" آفیسر غرایا۔

"پھر شاید وہ رابطہ قائم کرنے کے لیے ٹرانسمٹر استعمال کرتا رہا ہوگا۔" عمران نے کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو مسٹر۔ میں اپنی بہن کے بارے میں کوئی بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"گویا یہ سچ ہے کہ وہ ٹرانسمٹر پر بات چیت کرتا تھا۔"

"لعنت ہے تم پر۔ وہاں ٹرانسمٹر نہیں ہے۔ وہ ایک چھوٹی چوکی ہے جو میرے ماتحت ہے۔" آفیسر غصے سے جھاگ اُڑانے لگا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ جبھی میں بھی کہوں کہ وہ تمہارے خلاف کیوں ہے۔" عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

آفیسر اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

"میرا خیال ہے اب تمہیں بھی نشیب میں پھینک دیا جائے۔" عمران نے اچانک سفاک لہجے میں کہا۔

آفیسر حیرت سے کی طرف دیکھنے لگا،... جو پل پل میں رنگ بدل رہا تھا۔ "کک... کیوں؟"

"اس لیے کہ اب تم ہمارے لیے قطعاً بیکار ہو۔" عمران غرّایا۔

"مجھے جان سے مار کر تمہیں کیا مل جائے گا؟"

"جبکہ نہ مار کر بھی کچھ نہیں ملے گا۔" عمران کے لہجے میں مایوسی تھی۔

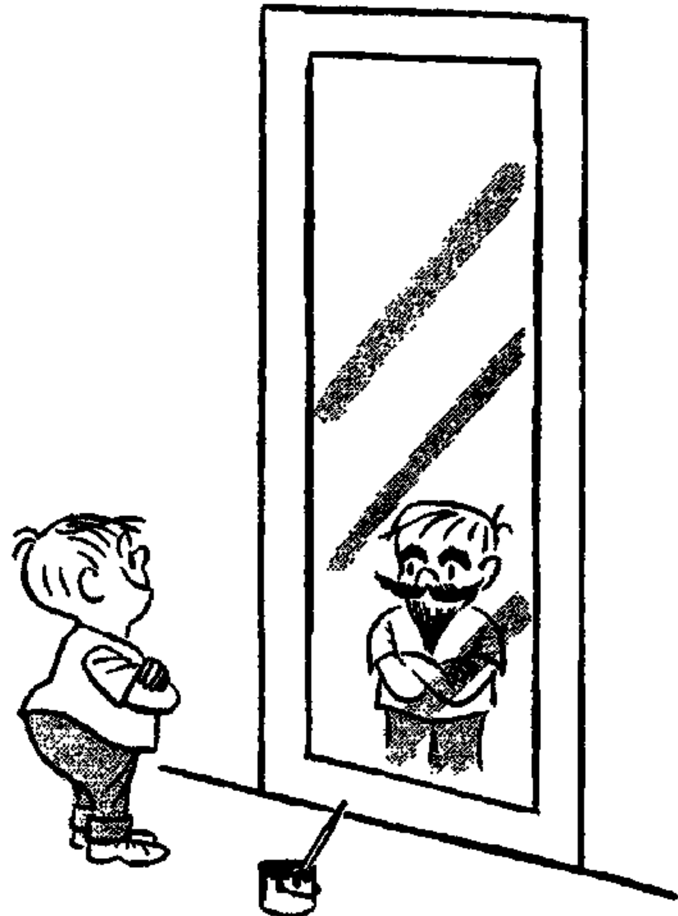
"تم چاہتے کیا ہو؟" آفیسر نے اُلجھن سے پوچھا۔

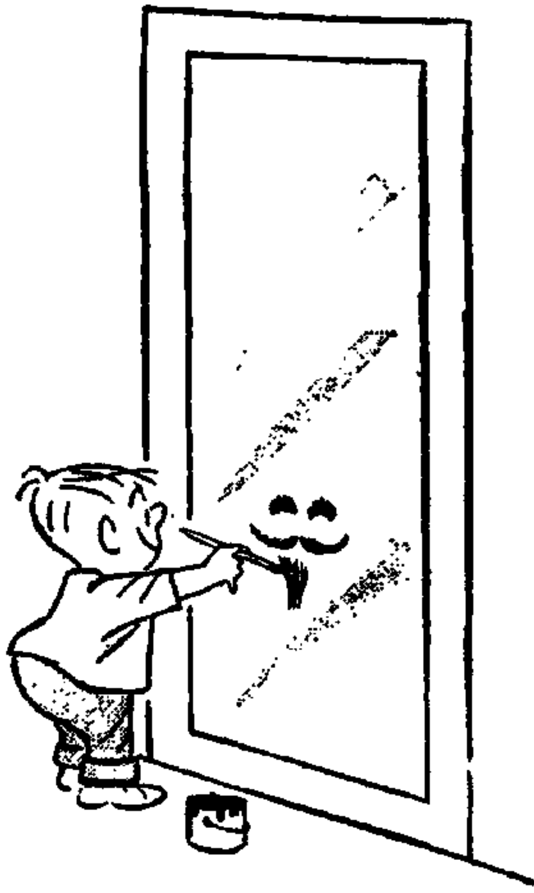
"میں چاہتا ہوں کہ اگلی چوکی سے تم ہمیں خیریت سے نکلنے میں مدد دو۔"

آفیسر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو، تمہارے جسم میں سینکڑوں سوراخ کر کے کسی گہری کھڈ میں پھینک دیا جائے گا جہاں تمہاری لاش کو جنگلی جانور بڑی رغبت سے کھائیں گے۔"

"لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بعد میں مجھے





جان سے نہیں مار دو گے؟"

"آزمائے بغیر تو کوئی چارہ نہیں۔ ہم اب بھی تمہیں مار سکتے ہیں۔" عمران نے بڑی بے دردی سے کہا۔

آفیسر کا چہرہ اُتر گیا۔ "اچھا۔ مجھے تم پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔" آفیسر کے لہجے میں شکست کا تاثر تھا۔

اچانک عمران کو تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ناکہ بندی دکھائی دی۔ کچھ سپاہی رائفلیں تانے سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ ایک سپاہی نے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔

عمران نے ان کے پاس لے جا کر گاڑی روک دی۔

" اوہ آپ ہیں۔" ایک فوجی نے اپنے آفیسر کو دیکھتے ہی سیلوٹ کیا۔

"کیا بات ہے؟" آفیسر غرّایا۔

" سر ہمیں قلعے سے آرڈر ملا ہے کہ یہاں سے کسی بھی گاڑی کو نہ گزرنے دیا جائے۔"

" ٹھیک ہے میں قلعے میں ہی جا رہا ہوں۔" آفیسر نے بارعب آواز میں کہا۔

" اوکے۔ آفیسر۔" فوجی نے اُسے سیلوٹ کیا اور پھر ناکہ بندی کے قریب کھڑے ہوئے آدمی کو اشارہ کرنے ہی والا تھا کہ چونک کر پیچھے سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔

عمران نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ چند گاڑیاں اندھا دھند چلی آ رہی تھیں۔ اُس نے جلدی سے ایکسیلریٹر پر پاؤں کا پورا بوجھ ڈال دیا۔ گاڑی لکڑی کی رکاوٹ توڑتی ہوئی گزر گئی۔ سامنے کھڑے کئی فوجی ٹائروں تلے آ کر کچلے گئے۔ عین اسی وقت آفیسر نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور اَن گنت گولیاں گاڑی میں آ کر لگیں۔ عقبی حصے سے صفدر کی کراہ سنائی دی۔

عمران نے مُڑ کر دیکھا لیکن دوسرے ہی لمحے خود اُس کے مُنہ سے سسکی نکل گئی۔ کوئی جلتی ہوئی چیز اس کے بازو میں گھس گئی تھی۔ اُس نے رفتار تیز کر دی اور بازو میں گھسی ہوئی گولی کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اسی وقت ایک باڑ اور ماری گئی۔ عقبی حصے سے ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی بلیک زیرو نے مشین گن کا فائر کھول دیا۔

گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔

عمران نے آئینے میں دیکھا۔

اُن کے تعاقب میں ایک گاڑی تھی جس سے مسلسل

فائرنگ ہورہی تھی۔ اسے فکر لاحق ہوگئی کہ کہیں کوئی گولی ٹائر میں نہ لگ جائے۔ اچانک اُسے اپنے پیچھے ایک دھماکا سُنائی دیا۔

عمران نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ بلیک زیرو نے کام دکھا دیا تھا۔ گولیاں تعاقب کرنے والی گاڑی کے سامنے کے ٹائروں کو چھید گئی تھیں۔ چونکہ گاڑی خاصی تیز تھی اس لیے ڈرائیور اسے سنبھال نہ سکا۔ نتیجتاً فوجیوں سے بھری ہوئی گاڑی نشیب میں بھاگتی چلی گئی اور پھر ایک کان پھاڑ دھماکا ہوا۔ غالباً گاڑی کی ٹنکی پھٹ گئی تھی۔ . . لیکن عمران کو دو چیزیں پریشان کررہی تھیں۔ ایک تو اس کے دائیں بازو میں گھسی ہوئی گولی اور دوسری وہ تمام گاڑیاں جو عقبی آئینے سے اب بھی تعاقب میں آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اُس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا پورا بوجھ ڈال دیا اور گاڑی خطرناک حد تک تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔

"کیا کوئی زخمی ہوگیا ہے، جناب؟" عمران نے پیچھے مُڑے بغیر پوچھا۔

"ہاں۔ صفدر کی ران میں گولی لگی ہے۔"

"اوہ. . ." عمران ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ خود اُس کے بازو میں بھی گولی لگی تھی اور خون بہ نکلا تھا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ اُس نے اپنے زخمی ہونے کی اطلاع دینا مناسب خیال نہ کیا۔

"عمران کیا تم بھی زخمی ہوگئے ہو؟" بلیک زیرو کی بھرّائی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"معمولی. . ." عمران نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ڈرائیونگ میں دقت محسوس کرو تو مجھے بتا دینا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔"

سڑک انتہائی شکستہ اور بَل کھاتی ہوئی تھی۔ گاڑی تیز رفتاری سے فاصلہ طے کررہی تھی۔ عمران کے بازو سے خاصا خون بہہ چکا تھا۔ وہ قدرے نقاہت محسوس کرنے لگا۔ لیکن اُس کی خوداعتمادی عود کر آئی تھی۔ عمران نے دیکھا کہ تعاقب میں آنے والی گاڑیاں اب قریب آتی جارہی تھیں۔ اچانک گاڑی کے عقبی حصے سے مشین گن دوبارہ قہقہے لگانے لگی۔ اِس مرتبہ سب سے آگے آنے والی گاڑی کے ٹائر دھماکے سے پھٹ گئے اور وہ سڑک پر چُرچُرا کر رہ گئی۔ عقب میں آنے والی گاڑیاں اُس پر چڑھ گئیں اور وہ گاڑی دھکا لگنے سے نشیب میں لڑھکتی چلی گئی۔

عقبی حصے سے بلیک زیرو کی آواز سُنائی دی "عمران مجھے افسوس رہے گا کہ ہمارا یہ مشن ناکام رہا۔"

"نہیں جناب، ہمارا یہ مشن ناکام نہیں رہا۔"

"کیا. . .!" بلیک زیرو حیرانی سے بولا "کھوپڑے کے حصول کے بغیر مشن کی کامیابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

اسی وقت ان کے سروں پر سے ایک طیارہ گزر گیا۔ یکایک ایک دھماکا ہوا اور بلیک زیرو کی آواز دب گئی۔ عمران نے تیزی سے بریک لگائے۔ گاڑی الٹتے الٹتے بچی۔ اتنی دیر میں طیارہ چکر کاٹ کر سامنے سے آرہا تھا۔ جیسے ہی طیارے نے مشین گن کا برسٹ مارا۔ عمران نے گاڑی گیئر میں ڈال کر پوری رفتار سے آگے بڑھا دی۔ گولیاں ان کے دونوں طرف سے گزرتی ہوئی زمین میں دھنستی چلی گئیں۔

معاً عمران کو ایک مغلی راستہ دکھائی دیا۔ یہ ایک کچی سڑک تھی جو بڑی سڑک سے الگ ہوکر قلعے کے جنوب کی طرف جاتی تھی۔ عمران نے گاڑی اسی راستے پر موڑ دی۔ عقبی گاڑیاں تیز رفتاری سے تعاقب جاری رکھے ہوئے تھیں۔ گاہے گاہے وہ رائفلوں سے فائرنگ بھی کررہے تھے لیکن عمران کی گاڑی اُن کی زد سے بہت دُور تھی۔ عمران کی نگاہ اپنی دائیں جانب اُٹھ گئی اور اس کا پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔ قلعے کی طرف سے بھی چند گاڑیاں فائرنگ کرتی ہوئی چلی آرہی تھیں۔ اگر وہ اس طرف نہ مڑ گیا ہوتا تو اب تک معاملہ فیصلہ کُن مرحلے میں داخل ہوگیا ہوتا۔ لیکن اب ان کے لیے ایک سڑک کھلی پڑی تھی۔ اس سڑک کے بارے میں عمران کے ذہن میں آیا کہ بہت آگے جاکر بند ہوجاتی ہے۔ لیکن نقشے میں اُس سے نکلتی ہوئی ایک سڑک کا نشان بھی موجود تھا جو سیدھی سرحد کی طرف جاتی تھی۔

اندھیرا ہورہا تھا۔ عمران نے گاڑی کی چھوٹی بتیاں روشن کرلیں۔ ہوائی جہاز اب تک کئی حملے کرچکا تھا لیکن عمران کی بروقت کوششوں سے اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ . . . اور اب شاید وہ مزید اسلحے کے لیے واپس چلا گیا تھا۔

عمران نے عقبی آئینے میں دیکھا اُس کے تعاقب

میں روشنیوں کا ایک سیلاب سا تھا اُس کے ہونٹوں پر ایک مضمحل سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اچانک ہی جہاز پھر نمودار ہُوا۔ اِس مرتبہ اُس نے سڑک کے بیچوں بیچ بم گرانا شروع کر دیے۔ عمران نے گاڑی روک دی۔ "راستہ بہت خراب ہو گیا ہے جناب" اُس نے کہا۔ "طیارے سے نے بم گرا کر گڑھے پیدا کر دیے ہیں۔"

جواباً بلیک زیرو نے دائیں طرف اشارہ کیا۔ عمران نے دیکھا کہ وہاں ایک پختہ مکان بنا ہُوا تھا۔

"جی ہاں۔ یہ ایک اچھا دفاعی مورچہ ثابت ہو سکتا ہے۔" عمران نے اثبات میں سر ہلایا اور دوسرے ہی لمحے وہ چھلانگ لگا کر گاڑی سے نیچے اُتر گیا۔ بلیک زیرو نے مشین گن سنبھالی اور نشیب کی طرف دوڑ پڑا۔ عمران نے صفدر کو کندھے پر ڈالا اور تیزی سے اُس کی تقلید کی۔

یہ مکان بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ عمران نے صفدر کو اندر لٹا دیا۔ اور خود بلیک زیرو کو اشارہ کر کے باہر لپکا۔ باہر آکر اُس نے بلیک زیرو کو حالات کے بارے میں سمجھاتے ہوئے کہا کہ وہ گاڑی کے پاس جا کر ٹارچ سے چاروں طرف مدد کے لیے اشارے دے۔

"لیکن جناب۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جماعت کے آدمی ہی ہماری مدد کو آئیں۔ ممکن ہے۔۔۔"

"یہاں جگہ جگہ جماعت کے اڈے ہیں" عمران نے کہا۔

بلیک زیرو ٹارچ سنبھال کر تیزی سے گاڑی کی طرف بھاگ اُٹھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ روشنی کی پیغام رسانی کے اصولوں کے مطابق چاروں طرف اشارے دینے لگا۔ اِس وقت وہ گاڑی کی چھت پر اوندھا لیٹا ہُوا تھا۔

بہت دُور پیچھے تعاقب کرنے والی یہودی فوجیوں کی گاڑیوں کی بہت سی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ معاً بلیک زیرو کے حلق سے حیرت کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اُس نے دُور نشیب میں اپنی روشنی کے جواب میں اشارے دیکھ لیے تھے۔ گویا عمران کا اندازہ درست تھا۔ وہاں قریب ہی محبانِ فلسطین کا کوئی خفیہ اڈہ موجود تھا۔ بلیک زیرو نے خطرے میں گھرے ہونے کا اشارہ دیا اور پھر تیزی سے پھسل کر گاڑی سے اُتر آیا۔ اب وہ پوری قوت سے مکان کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہاں پہنچ کر اُس نے عمران کو صورتِ حال کے بارے میں اطلاع دی۔ "ٹھیک ہے۔ اب تم صفدر کو حکم دو کہ وہ اس مکان سے فوجیوں کو دُور رکھنے کے لیے مشین گن سنبھال لے۔"

"اور خود کیا ارادہ ہے جناب؟"

"یہودی فوجیوں کے جسموں میں سوراخوں کی تعداد بڑھائیں گے۔"

بلیک زیرو ہنستا ہُوا اندر چلا گیا۔ اُس نے مشین گن کی نال ایک دیوار میں سوراخ کر کے فٹ کر دی اور زخمی صفدر کو سہارا دے کر اُس کے قریب بٹھا دیا۔ "تم یہاں سے انھیں روکو گے۔" بلیک زیرو نے ایکسٹو کی سی بھرّائی ہوئی آواز میں کہا اور صفدر کی طرف دیکھا جو خون بہ جانے کی وجہ سے نڈھال تھا لیکن اس کا حکم سُنتے ہی جیسے اس کے جسم میں دوبارہ جان پڑ گئی تھی اس نے مُسکرا کر ایکسٹو کی طرف دیکھا۔

بلیک زیرو نے اُس کا کندھا تھپ تھپایا اور باہر نکل گیا۔

عمران نے مکان سے کافی فاصلے پر واقع ایک چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں جا کر پوزیشن سنبھال لو۔"

بلیک زیرو نے فوری تعمیل کی اور خود عمران نے مکان سے کچھ دُور ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے پوزیشن سنبھال کر سڑک پر نگاہیں گاڑ دیں۔ تعاقب کرنے والی فوجی گاڑیاں اب اُن کی گاڑی کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ عمران نے یہودی چیف کو اُترتے دیکھا۔ پھر اُس نے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا کہ اُسے صرف کھوپے کی ضرورت ہے اگر وہ اُس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ اُن کی جان بخشی کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے انھیں واپس وطن بھجوانے کا بھی وعدہ کیا۔ جواباً صفدر نے مشین گن کا دہانہ کھول دیا۔

کئی فوجی پہلے ہی ہلّے میں سڑک پر لوٹیں لگا کر مر گئے۔ یہودی چیف نے ایک بار پھر اپنے الفاظ دُہرائے۔ اِس بار بھی اُس کی بات کا جواب مشین گن نے ہی دیا۔ یہودی چیف نے اپنے فوجیوں کو چیخ کر فائرنگ کا حکم دے دیا اور رات کے سناٹے میں دونوں طرف سے گولیوں کی آواز نے پورے علاقے میں قیامت مچا دی۔ پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ اندھیرے میں اِدھر سے اُدھر شعلے ہی شعلے رقص کر رہے تھے۔ چنگاریاں ہی چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔

عمران اور بلیک زیرو کی طرف سے ابھی تک ایک بھی فائر نہیں ہُوا تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھے حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ صفدر مشین گن پر بڑی مستعدی سے بیٹھا ہُوا تھا۔ اب وہ ایمونیشن کم ہونے کے باعث وقفے وقفے سے فائرنگ کر رہا تھا بلکہ وہ اس وقت ہی مشین گن چلاتا جب فوجی نشیب میں اُترنے کی کوشش کرتے۔

جلد ہی یہودی چیف کو اندازہ ہو گیا کہ وہ سامنے سے اس مکان تک نہیں پہنچ سکتا۔ اُس نے چند سپاہیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا اور اُنھیں مکان کے عقب میں پہنچنے کا حکم دیا۔ دونوں گروہ سڑک سے ہٹ کر کافی فاصلے سے نشیب میں اُتر گئے۔ اب وہ لوگ مشین گن کی رینج سے باہر تھے البتہ وہ جس طرف بڑھ رہے تھے، اُدھر سے اُن کا استقبال کرنے کے لیے عمران اور بلیک زیرو نے رائفلیں سنبھال لیں۔ دونوں گروہ بے خبر آگے بڑھتے رہے۔

اچانک عمران نے اپنی طرف بڑھنے والے گروہ پر فائرنگ شروع کر دی۔ حملہ خلافِ توقع ہُوا تھا اس لیے بوکھلاہٹ میں کئی فوجی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہی حال دوسری طرف، بلیک زیرو کے سامنے پڑنے والے گروہ کے ساتھ بھی ہُوا۔

یہودی چیف نے حالات کا نقشہ بدلتے دیکھا تو وہ غصّے سے پاگل ہو گیا اور وہ کسی کتّے کی طرح بھونکنے لگا۔ مشین گن کا دہانہ خاموش تھا شاید وہ کسی نئے شکار کا انتظار کر رہی تھی۔ عمران اور بلیک زیرو کی طرف بڑھنے والے دونوں گروہ پسپا ہو گئے۔ اچانک عمران نے اپنے پیچھے ہلکی سی سرسراہٹ سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ اس سے قبل کہ وہ گولی چلاتا کسی نے عربی میں اپنے دوست ہونے کا اعلان کیا۔

عمران اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ نشیب سے کوئی شخص اس کی طرف رینگتا ہُوا بڑھ رہا تھا۔ عمران خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ وہ کوئی غیر فوجی ہی تھا... پھر وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ عمران نے دیکھا وہ سیاہ لباس میں لپٹا ہُوا کوئی شخص ہے۔ اس نے عمران کو سلام کیا اور کہا۔ "آپ لوگ فرار ہو جائیں ہم ان کو روکتے ہیں۔"

"لیکن پیارے تم نے ہمارے لیے پروں کا بندوبست تو کیا ہی نہیں ہے؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"میرا مطلب تھا کہ . . . میں اور میرے ساتھی یہاں سے اُڑ کر کہیں چلے جائیں۔"

"اوہ۔ ہمارے کچھ ساتھی آپ کو خفیہ ہوائی اڈے پر لے جائیں گے۔ وہاں سے آپ کو قاہرہ پہنچا دیا جائے گا۔"

"بہت خوب۔ یہ ہُوئی نا بات!" عمران چہک کر بولا۔ پھر اس نے فوراً ہی پوزیشن چھوڑ دی۔ اسی وقت نشیب میں چند فوجی دکھائی دیے۔ شاید اُنھوں نے اس طرف خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہاں کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ عمران کے ساتھیوں نے پھر فائرنگ شروع کر دی۔ اُدھر چند آدمیوں نے جلد ہی عمران کو گھیرے میں لے لیا۔ اور پھر اُسے پہچاننے کے بعد وہ اُسے لے کر نشیب میں اُتر گئے۔

اب وہ عمران کو لیے ہُوئے ایک پتلی سی پگڈنڈی طے کر رہے تھے۔ "میرے ساتھیوں کا کیا ہوگا' اندھیرے کے دوستو؟" عمران نے پوچھا۔

"انھیں بھی لایا جا رہا ہے۔" ایک نے جواب دیا اور عمران کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔

وہ لوگ عمران کو لے کر نہ جانے کیسے کیسے دشوار گزار راستوں سے ہو کر ایک غار تک پہنچ گئے۔

غار میں روشنی تھی۔

وہاں عمران نے اپنے ان ساتھیوں کو دیکھا جن کا تعلق محبانِ فلسطین کی جماعت سے تھا۔ سب کے سب کڑیل اور خوبصورت جوان تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد بلیک زیرو اور صفدر بھی پہنچ گئے۔ ٹانگ سے خون زیادہ بہ جانے کی وجہ سے صفدر پر غشی طاری تھی۔ ایک مضبوط آدمی نے اُسے کندھے پر اُٹھا رکھا تھا۔ فائرنگ کی آواز اب بھی سُنائی دے رہی تھی۔ شاید جماعت کے آدمیوں اور فوجیوں میں باقاعدہ ٹھن گئی تھی۔ آوازیں اگرچہ بہت دھیمی تھیں۔ تاہم فائرنگ میں تسلسل ظاہر کر رہا تھا کہ فریقین میں فیصلہ کن جنگ ہو رہی ہے۔

چند لمحوں کے بعد ایک ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا۔ عمران اور صفدر کے جسم سے گولیاں نکال کر پٹیاں باندھ دی گئیں اور پھر عمران اپنے مینڈکوں کی یاد میں کھو گیا جو اُس سے سینکڑوں میل دُور بلا تو فلیٹ میں پھدکتے پھر رہے ہوں گے یا سلیمان کی بربریت نے انھیں ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔

غار میں خاموشی تھی۔

عمران اور صفدر گھاس کے نرم بستروں پر لیٹے ہوئے تھے۔

بلیک زیرو کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں کھویا ہوا ہے۔ باہر ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی کبھی کبھی سرد ہوا کا جھونکا غار کے اندر گھس آتا تو چراغ کی لو ٹمٹمانے لگتی اور غار میں سردی کی لہر دوڑ جاتی۔

... اور پھر عمران کی آنکھ لگ گئی۔

تین گھنٹے بعد غار میں دو شخص داخل ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ ہیڈ کوارٹر کے لیے خفیہ نشرگاہ سے اطلاعی ساز نشر کر دیا گیا ہے۔

خفیہ ایرپورٹ پر جہاز ان کے لیے تیار تھا اور اب انھیں وہاں تک پہنچنا تھا۔ عمران اور صفدر کو سہارا دیا گیا اور اس طرح ایک مرتبہ پھر اندھیرے کا سفر شروع ہو گیا۔

مختلف پہاڑی پگڈنڈیوں کو طے کرتے ہوئے وہ دو گھنٹے تک چلتے رہے۔ پھر وہ لوگ ایک ایسی پہاڑی کے قریب پہنچ گئے جس کے عقب میں ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ عمران نے دیکھا کہ وہاں جھاڑیوں میں پوشیدہ ایک چھوٹا سا جہاز کھڑا ہے۔

انھیں جہاز میں بٹھا دیا گیا۔

پندرہ منٹ تک انھیں جہاز میں بیٹھنا پڑا پھر فضا میں دو فائٹر جہازوں کی آواز سنائی دی تیز رفتار فائٹروں نے ان کے اوپر چکر لگایا اور ایک فضائی چھما کا سا ہوا عین اسی وقت ان کے جہاز کا انجن بیدار ہو گیا۔ عمران نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر بلیک زیرو کی طرف دیکھا۔

"ان فائٹروں کی موجودگی میں ہم اپنی پرواز کس طرح جاری رکھ سکیں گے؟" بلیک زیرو بڑبڑایا۔

"ہمیں ان فائٹروں کا ہی انتظار تھا جناب!"

"کک... کیا... میرا خیال ہے، ہمیں زمین پر ہی مرنے دو بھائی۔" عمران بوکھلا کر بولا اور پائلٹ ہنسنے لگا۔

"میرا مطلب تھا جناب کہ یہ ہماری حفاظت کے لیے آئے ہیں۔"

"اوہ..." عمران کے حلق سے اطمینان کی ایک طویل سانس نکل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ انتظام لونا اسٹیٹ کے فائٹروں سے اس جہاز کو بچانے کے لیے کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے جو لوگ ایک مسافر بردار جہاز کو بین الاقوامی قوانین کی پروا کیے بغیر گرا سکتے ہیں، وہ اس جہاز کو کیسے برداشت کر لیتے۔

جہاز فضا میں بلند ہو گیا۔

فائٹروں نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا اور وہ قاہرہ کی طرف پرواز کرنے لگے۔ "مجھے افسوس ہے جناب۔ ہمارا یہ مشن ناکام ہی رہا۔" صفدر نے ایکسٹو سے کہا۔

"وہ کچھوا کہیں ضائع ہو گیا ہوگا۔" بلیک زیرو بڑبڑایا۔

"ارے یہ میری جیب میں کیا گھسا ہوا ہے۔" اچانک عمران کی آواز سنائی دی اور پھر اس نے جیب سے ایک آہنی کچھوا نکال کر ہتھیلی پر رکھ لیا۔

بلیک زیرو اور صفدر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے خوشی سے کھل اُٹھے۔

"یہ... یہ کہاں سے حاصل کر لیا آپ نے؟" صفدر بے چینی سے بولا۔

"ایک وعدہ کرو تو بتاؤں؟"

"فرمائیے؟" صفدر نے چونک کر کہا۔

"میرے مینڈکوں کو پتہ نہ چلے کہ میں نے ایک کچھوے کے لیے اس قدر بھاگ دوڑ کی ہے۔ بے چاروں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ ہوتا ہی کتنا سا ہے۔"

صفدر ہنسنے لگا۔ ایکسٹو کا بھی کھنکتا ہوا قہقہہ سنائی دیا اور عمران مارے شرم کے دُہرا ہوتا ہوا بالکل لیٹ گیا۔ پھر اُس کے حلق سے خراٹے نشر ہونے لگے۔ جیسے وہ برسوں کی نیند پوری کر رہا ہو۔

جہاز اب متوازن رفتار سے اپنی منزل کی طرف اُڑ رہا تھا۔

